جلد 4 شمارہ 3 مئی 2002ء صفر 1423ھ

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ ط
وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ ط

اور لوگوں میں وہ بھی ہیں جو دوسروں کو اللہ کا ہمسر بنا لیتے ہیں
ان سے اللہ کی محبت کی مانند محبت کرتے ہیں جبکہ اہل ایمان
شدید محبت اللہ ہی سے کرتے ہیں
(البقرۃ۔165)



عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت گوجرانوالہ

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اغراض و مقاصد

- کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول ﷺ، کثرت ذکر، مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالی کے قرب وعرفان اور اسکی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا۔
- حضور ﷺ کے صحابہ کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت ہی مختصر اور سہل العمل اورادو اذکار کی تلقین۔
- غصہ ونفرت، حسد وبغض، تجسس وغیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کرکے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا، عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کرکے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا۔
- اللہ تعالی کی رضا، اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالی کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

عالمگیر محبت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ گوجرانوالہ

آدمیت فلاح

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان
کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

جلد 4 شمارہ 3- مئی 2002ء صفر 1423ھ

ایڈیٹر وحید احمد

قیمت ——— -/15 روپے　　سالانہ فنڈ ——— -/150 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-268424

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-293379

پبلشر عامر رشید انصاری نے المعراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-255519
E-mail: toheddia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

بنی نوع انسان تمدن کے جس مقام پر آج ہے یہ چند سالوں کی محنت کا نتیجہ نہیں 'اس کی تاریخ صدیوں پر محیط ہے۔ اس میں زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے علماء کی محنت شامل ہے۔ یہ سب شکریے کے مستحق ہیں کیونکہ ان افراد کی دن رات کی محنت اور سوچ و بچار نے انسانیت کو یہ مقام دلایا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ ہم پہ جن بزرگوں کا احسان ہے وہ انبیائے کرام علیہ السلام ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی قوموں کے سامنے اس زمانہ کی ضرورت کے مطابق مناسب اخلاق عالیہ اور صفات کاملہ کا ایک بلند ترین معجزانہ نمونہ پیش کیا ہے۔ کسی نے صبر' کسی نے ایثار' کسی نے جوش توحید' کسی نے ولولہ حق' کسی نے تسلیم' کسی نے زہد' غرض ہر ایک نے دنیا میں انسانی زندگی کے پر پیچ راستے میں ایک ایک مینار قائم کر دیا جس سے صراط مستقیم کا پتہ لگ سکے۔ مگر ضرورت تھی کسی ایسے رہنما اور رہبر کی جو ایک سرے سے لیکر آخری سرے تک پوری راہ کو اپنی ہدایات اور عملی مثالوں سے روشن کر دے گویا ہمارے ہاتھ میں اپنی عملی زندگی کا پورا لائحہ عمل دے دے۔ جس کو لیکر اس کی تعلیم و ہدایت کے مطابق ہر مسافر بے خطر منزل مقصود کا پتہ پالے یہ راہنما سلسلہ انبیاء کے آخری فرد محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ہیں قرآن شریف میں ارشاد ہے:

"اے پیغمبر ﷺ ہم نے تجھ کو گواہی دینے والا اور (نیکوں کو) خوشخبری سنانیوالا اور (غافلوں کو) ہوشیار کرنے والا اور خدا کی طرف اس کے حکم سے پکارنے والا اور ایک روشن کرنیوالا چراغ بنا کر بھیجا" (احزاب)

آپ تمام عالم میں خدا کی تعلیم و ہدایت کے شاہد ہیں' نیکو کاروں کو فلاح و سعادت کی بشارت سنانے والے مبشر ہیں' ان کو جو ابھی تک بے خبر ہیں۔ ہشیار اور بیدار کرنیوالے نذیر ہیں) بھٹکنے والے مسافروں کو خدا کی طرف پکارنے والے داعی ہیں اور کفر و ظلمت کے اندھیروں میں روشن چراغ ہیں۔ یوں تو ہر پیغمبر خدا کا شاہد' داعی' مبشر اور نذیر وغیرہ بن کر اس دنیا میں آیا ہے مگر یہ تمام صفات سب کی زندگیوں میں عملاً" یکساں نمایاں ہو کر ظاہر نہیں آئیں۔ حضور ﷺ کی ذات مبارک کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ان میں یہ تمام صفات بدرجہ اتم موجود تھیں اور یہ اس لئے تھا کہ آپ کو خاتم النبین بنا کر بھیجا گیا تھا۔ جن کے بعد نبوت کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند ہو

گئے۔ آپ ایسی شریعت لے کر آئے جو کامل تھی جس کی تکمیل کے لئے پھر کسی دوسرے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

پیغام محمدی ﷺ دنیا میں خدا کا پہلا اور آخری پیغام ہے جو کالے، گورے، عربی، عجمی، ہندی، چینی سب کے لئے عام ہے۔ جس طرح اس کا خدا تمام دنیا کا خدا ہے اس طرح اس کا رسول تمام دنیا کا رسول رحمت للعالمین تمام دنیا کے لئے رحمت ہے۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''نہیں ہے مگر نصیحت تمام دنیا کے لئے برکت والا ہے وہ (خدا) جس نے اپنے بندے پر فیصلہ والی کتاب اتاری تاکہ تمام دنیا کو ہشیار کرنے والا ہو وہ (خدا) کہ اسی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی'' (فرقان)

آپ تمام دنیا کے لئے نذیر ہو کر آئے ہیں۔ جہاں تک خدا کی سلطنت ہے وہاں تک آپ کے پیغام کی وسعت ہے۔ سورہ اعراف میں ہے:

''کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، جس کی آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے''

اس میں بھی پیغام محمدی ﷺ کی وسعت ساری دنیا تک بتائی گئی ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ جہاں تک یہ پیغام پہنچ سکے۔ سب اس کے دائرے میں ہے۔

''اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا تاکہ اس سے تم کو ہشیار کروں اور جس تک یہ پہنچے اس کو (ہشیار کروں)'' (الانعام)

اور بال آخر ہم نے نہیں بھیجا تم کو (اے محمد ﷺ) لیکن تمام انسانوں کے لئے خوشخبری سنانے والا ہشیار کرنیوالا'' (سبا)

ان حوالوں سے یہ امر پوری طرح واضح ہوتا ہے کہ تمام مذاہب میں صرف اسلام نے اپنے دائمی و آخری، کامل اور عالمگیر ہونیکا دعویٰ کیا ہے۔ صحیح مسلم میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے ''مجھ سے پہلے تمام انبیاء صرف اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے اور میں تمام قوموں کی طرف بھیجا گیا ہوں''۔ یہ اس دعویٰ کا مزید ثبوت ہے اور تاریخ کی عملی شہادت اسی تائید میں ہے۔ الغرض کہنا یہ ہے کہ پیغام محمدی ﷺ بھی اسی طرح کامل، دائمی اور عالمگیر ہے۔ جس طرح اس پیغام کے لانیوالے کی سیرت اور اس کا عملی نمونہ کامل، دائمی اور عالمگیر ہے۔

والسلام
وحید احمد

درسِ قرآن

(مولانا مجیب الرحمٰن انقلابی)

وما ارسلنک الا رحمت للعلمین (انبیاء-107)

"اور ہم نے آپ کو سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا"

اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کو تمام جہاں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا "رحمتہ للعالمین" ﷺ کی آمد سے قبل پوری دنیا شرک و بدعت، ضلالت و گمراہی ار مصیبت و نافرمانی کے عمیق گڑھے میں گری ہوئی تھی انسانیت نام کی کوئی چیز نہ تھی حسب و نسب پر تفاخر کیا جاتا، انتقام و کینہ وری کو وصف و خوبی سمجھا جاتا، بغض و عداوت میں کوئی عار نہ ہوتی، بتوں کے نام پر جانور ذبح کئے جاتے اور چڑھاوے چڑھائے جاتے زندہ جانور کا گوشت کاٹ کر کھایا جاتا ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کو کمتر سمجھتا، معمولی معمولی باتوں پر لڑائی جھگڑے صدیوں چلتے گویا کہ دنیا تباہی کے دھانے پر پہنچ چکی تھی۔۔ ان حالات میں جب کہ ہر طرف انسانیت سسکتی اور دم توڑتی دکھائی دے رہی تھی حضور اقدس ﷺ دنیا میں "رحمت للعالمین" بن کر تشریف لاتے ہیں اور عبداللہ کے گھر سے طلوع ہونے والے اس آفتاب و ماہتاب کی روشنی سے پوری دنیا فیضاب ہونے لگی۔ آپ ﷺ کی آمد و تشریف آوری ایسی "نعمت عظمیٰ" ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں مسلمانوں پر "احسان عظیم" سے تعبیر فرمایا ہے۔۔ آپ ﷺ سراپا رشد و ہدایت اور قیامت تک آنے والے لوگوں کے لئے کامل نمونہ ہیں اور آپ ﷺ کے "اسوہ حسنہ" میں دنیا و آخرت کی فلاح و کامیابی کو مضمر کر دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ "ابر رحمت" بن کر انسانیت پر برسے اور ان کو کفر و شرک اور ضلالت و گمراہی کے "گھٹاٹوپ" اندھیروں سے نکال کر "توحید و رسالت" کی روشنی سے منور کیا۔

ایک پاکیزہ انسان کو اللہ رب العزت نے آخری پیغمبر ﷺ بنا کر مبعوث فرمایا جس کے حسب و نسب، سچائی، امانت و دیانتداری، پاکدامنی، تقویٰ و طہارت، ہمدردی و پاکیزگی کو ہم خوب جانتے تھے آپ ﷺ نے بتایا کہ ہم سب کا پروردگار ایک اللہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہمیشہ رہے گا وہی سب کا خالق و مالک اور رازق ہے نفع و نقصان اس کے ہاتھ میں ہے ایک

اللہ تعالیٰ کی ذات ہی سب کی حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔۔۔اس کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ نے ہمیں یہ بھی ہدایات فرمائیں ہیں کہ ہمیشہ سچ بولا کرو اپنا وعدہ پورا کیا کرو حرام باتوں سے بچو۔ خون ریزی اور یتیم کا مال کھانے سے دور رہو کسی کا ناحق مال نہ کھاؤ اس طرح پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا اور ساتھ ہی نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ روزہ رکھنے اور زکوۃ ادا کرنے کی تاکید فرمائی مہمان نوازی کا درس دیا۔ ہم سب ان پر ایمان لانے اور ان کی اتباع کرتے ہوئے ان پر دل و جان سے فدا ہوئے۔ ”رحمتہ للعالمین ﷺ“ اعلان نبوت سے قبل ہی صادق اور امین کے لقب سے پکارے جاتے تھے لوگ آپ ﷺ کے پاس امانتیں رکھواتے اور معاملات کے فیصلے کرواتے لیکن جب رحمتہ للعالمین ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اعلان نبوت کرتے ہوئے ان کو بتوں کی پرستش ترک کر کے ایک خدا کی عبادت کرنے اور آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دینے کے بارے میں کہا تو یہی قوم جو آپ ﷺ کی پاک دامنی اور صدق و امانت کی قسمیں کھانے والی تھی وہی آپ ﷺ کے راستہ میں کانٹے بچھانے لگے آپ ﷺ کو ہر طرح تنگ کرتے ہوئے ستایا جاتا طائف کے میدانوں میں آپ ﷺ کو توحید کی دعوت دینے کی پاداش میں پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا جاتا ہے۔

لیکن اس سب کے باجود رحمتہ للعالمین ﷺ نے کبھی ان ظالموں کے لئے بددعا نہیں کی بلکہ ہدایت کے لئے دعا کی ان حالات میں بھی محسن انسانیت ﷺ اپنے مشن کو زندہ اور جاری رکھتے ہیں۔ مکہ کے لوگوں نے جب ظلم و تشدد کی انتہا کر دی تو آپ ﷺ خدا تعالیٰ کے حکم سے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر جاتے ہیں' مدینہ میں انصار نے حضور ﷺ اور ہجرت کر کے آنے والے صحابہ کرامؓ کے ساتھ اخوت و محبت کا وہ بے مثال مظاہرہ کیا کہ تاریخ انسانی اس کی نظیر و مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔

اور پھر چشم فلک نے وہ منظر بھی دیکھا کہ جب رحمتہ للعالمین ﷺ اپنے دس ہزار جانثار صحابہ کرامؓ کے لشکر کے ہمراہ اسی مکہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوتے ہیں جہاں سے آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو دس سال قبل ظلم و تشدد کر کے نکالا جاتا ہے حضور ﷺ کے سر مبارک

کی قیمت سو سرخ اونٹ مقرر کی گئی تھی۔ رحمتہ للعالمین ﷺ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہوئے
عاجزی و انکساری کے ساتھ سواری پر اس قدر جھکے ہوئے کہ آپ ﷺ کا چہرہ انور سواری کی پشت
کے ساتھ ملا ہوا نظر آتا ہے۔۔ مکہ سے نکالنے والے خوفزدہ ہیں کہ حضور ﷺ ان کے ساتھ کیا
سلوک کرتے ہیں۔۔ ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے۔
وہ بھی تھے جنہوں نے پتھر مار مار کر آپ ﷺ کے جسم اطہر کو لہولہان کیا تھا۔ وہ بھی تھے کہ جنہوں
نے آپ ﷺ کے جانثار صحابہ کرامؓ پر ایمان لانے کی پاداش میں ظلم و تشدد کے پہاڑ توڑتے ہوئے
تپتی ریت پر لٹا کر ان کے سینوں پر وزنی پتھر رکھے تھے ان صحابہ کرامؓ کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹایا
گیا اور ان کے جسموں کو گرم سلاخوں کے ساتھ داغا گیا۔ ان میں وہ بھی تھے جنہوں نے رحمتہ
للعالمین ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو "شعب ابی طالب" میں محصور کر دیا تھا۔ آج یہ سب بارگاہ
رسالت میں مجرم کی طرح کھڑے ہیں رحمتہ للعالمین ﷺ نے ان سب پر نگاہ ڈالتے ہوئے۔۔
پوچھا کہ جانتے ہو آج میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں ؟؟؟ بے بسی اور ندامت کے
عالم میں ہر طرف سے ایک ہی رحم طلب صدا گونجی کہ آپ ﷺ عالی ظرف ہیں۔۔۔ آپ ﷺ
نے سب کے لئے معافی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ "آج تم پر کوئی گرفت نہیں ہے جاؤ تم سب
آزاد ہو"۔۔ حضور ﷺ نے عام اعلان فرما دیا کہ جو شخص بیت اللہ میں داخل ہو گا اس کو بھی
امن دیا جائے گا۔۔۔ جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر رکھے گا اس کی بھی جان بخشی اور امان ہے
اور جو شخص بغیر ہتھیار کے ملے گا اس کے لئے بھی امن ہے۔ ہر کسی کو امان مل رہی ہے جو بھی آپ
ﷺ کی بارگاہ میں آیا اس نے اپنے آپ کو مامون پایا۔۔۔ پھر رحمتہ للعالمین ﷺ کی بارگاہ میں
بڑے بڑے دشمن اسلام اپنے کفر سے تائب ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو کر اپنے آپ کو نور ایمان
سے منور کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

درس حدیث

(رانا محمد اعجاز)

عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم البخیل الذی ذکرت عندہ فلم یصل علی

ترجمہ! "حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اصلی بخیل اور کنجوس وہ آدمی ہے جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود بھی نہ بھیجے"۔

اس حدیث مبارکہ میں رسول کریم ﷺ نے واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ اس سے بڑا بخیل کوئی نہیں ہو سکتا جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

عام طور پر بخیل ایسے آدمی کو سمجھا جاتا ہے جو دولت کے خرچ کرنے میں بخل کرے اس حدیث مبارکہ میں بہت بڑا بخیل اس آدمی کو کہا گیا ہے جس کے سامنے حضور ﷺ کا ذکر آئے اور وہ زبان سے درود کے دو کلمے کہنے میں بھی بخل کرے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی کوئی نشست اور مجلس ایسی نہیں ہونی چاہئے جو ذکر الٰہی اور رسول کریم ﷺ پر درود و سلام سے خالی رہے۔

اگر زندگی میں ایک بھی نشست ایسی ہوئی تو قیامت میں اس پر باز پرس ہو گی اور اس وقت حسرت اور پشیمانی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ یعنی ایمان کی تکمیل اس وقت ممکن ہے جب کہ بندہ ذکر الٰہی کے ساتھ ساتھ درود و سلام کو بھی کثرت سے ادا کرے مذکورہ بالا حدیث میں درود و سلام نہ بھیجنے والے کو بہت بڑا بخیل کہا گیا ہے۔ اس کے برعکس جو رسول کریم ﷺ پہ کثرت سے درود و سلام بھیجتا ہے اس کی خوش بختی کا ایک بندہ کیسے تصور کر سکتا ہے۔

حضرت ابی بن کعبؓ اللہ تعالیٰ سے کثرت سے دعائیں مانگا کرتے تھے ان کے دل میں خیال آیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے جو دعائیں مانگتا ہوں اور جتنا وقت اس میں صرف کرتا ہوں اس میں سے کچھ وقت رسول کریم پر صلوٰۃ بھیجنے کے لئے مخصوص کر دوں اس بارے میں جب انہوں نے رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ میں کتنا وقت اس کے لئے مخصوص کروں۔ تو آپ ﷺ نے اپنی طرف سے وقت کا کوئی تعین مقرر نہیں کیا بلکہ ان کی رائے پر چھوڑ دیا اور یہ اشارہ فرمادیا کہ اس کے لئے جتنا بھی زیادہ وقت دو گے تمہارے لئے اتنا بہتر ہو گا۔ آخر میں انہوں نے فیصلہ کیا کہ میں سارا وقت جس میں اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتا ہوں رسول کریم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنے میں صرف کروں گا۔ ان کے اس فیصلے پر رسول کریم ﷺ نے بشارت سنائی کہ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔

ذرا غور کریں کہ جس بندے کا یہ حال ہو کہ وہ اپنی ذاتی دعاؤں کی جگہ بھی رسول کریم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے کچھ نہ مانگے صرف رسول کریم ﷺ کے لئے صلوٰۃ کی استدعا کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی کس قدر صلوت و برکات، رحمتوں اور عنائتوں کی موسلا دھار بارش ہو گی۔ جس کا لازمی اثر اور انجام یہی ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بلا مانگے اس کی چاہتیں اور ضرورتیں پوری کردے گی اور گناہوں کے اثرات سے وہ بالکل پاک صاف کردیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں رسول کریم ﷺ کے ارشادات پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنے کی توفیق نصیب کرے آمین۔

بہترین تجارت

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

ہر انسان جو تجارت کے پیشے سے منسلک ہونا چاہتا ہو وہ پہلے اپنے عزیزوں اور دوستوں سے مشورہ لیتا ہے کہ کونسا کاروبار کرے تاکہ نقصان کا احتمال کم سے کم اور منافع کا امکان زیاہ سے زیادہ ہو۔ وہ چاہتا ہے کہ خواہ اسے سال بھر کتنی ہی محنت کیوں نہ کرنی پڑے لیکن انجام کار اسے اس کی محنت کا معقول پھل ملے تاکہ وہ اپنی کمائی کی رقم سے آرزوؤں کی تکمیل کر سکے۔ اس کا اپنا ایک خوبصورت گھر ہو جس میں ہر طرح کی آسائش اور راحت کا سامان موجود ہو۔ اس کا معیار زندگی دوسروں کے لئے قابل رشک ہو اور ہر کوئی اسے عزت کی نگاہ سے دیکھے۔

انسان کی یہ فکر اور محنت اس عارضی زندگی کی مادی خواہشات کی تکمیل کے لئے ہوتی ہے۔ حالانکہ دنیا کی ساری نعمتیں گھٹیا اور چھن جانے والی ہوتی ہیں۔ انسان یہاں خواہ دنیا بھر کی آسائشیں اکٹھی کر لے لیکن ایک دن موت آئے گی اور اسے سب کچھ یہاں ہی چھوڑ کر جانا پڑے گا اور اگر اس کا دل ان چیزوں کے ساتھ پیوستہ ہو گا تو ان سے جدائی اس کے لئے بہت ہی ناگوار اور تلخ ہو گی اور موت اس کے لئے ایک سخت مرحلہ اور تکلیف دہ سانحہ بن جائے گی اور جس انسان کی زندگی شریعت کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے گذری ہو گی اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت بسی ہو گی وہ اپنے رب سے ملنے کے لئے بے چین ہو گا۔ اس نے دنیا کی نعمتوں سے استفادہ تو کیا لیکن دنیا و مافیہا سے محبت نہیں کی۔ اس کا دل دنیا کی بجائے اللہ تعالیٰ اور آخرت سے جڑا ہوا تھا۔ اس لئے اس کی روح اس طرح آسانی سے نکلے گی جس طرح مکھن سے بال نکال لیا جاتا ہے۔ اس کے لئے موت ایک پل کی حیثیت رکھتا ہے جس کے ذریعے دوست اپنے دوست سے جا ملتا ہے۔ بندہ مومن اس عارضی ٹھکانے کو جنت بنانے کی سعی لاحاصل نہیں کرتا بلکہ آخرت کی زندگی اور اللہ تعالیٰ کی حقیقی جنت کو ترجیح دیتا اور اس میں کامیابی کے لئے فکر مند رہتا ہے۔ جہاں کی ہر نعمت دنیا کی نعمتوں سے اعلیٰ اور ہمیشہ رہنے والی ہو گی۔ وہاں ایسی ایسی نعمتیں عطا کی جائیں گی جو کبھی انسان کے وہم و گمان میں بھی نہ آئی ہوں گی۔ آخرت کے عذاب

سے بچنے اور اللہ تعالٰی کی جنت کے حصول کے لئے بھی ایک تجارت کرنی پڑتی ہے۔ اس تجارت میں کبھی خسارہ نہیں ہوتا کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالٰی نے کمال شفقت سے یہ تجارت اپنے بندوں کو خود بتائی ہے۔ ارشاد ہوا ہے:

"اے اہل ایمان میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں عذاب الیم سے مخلصی دے وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو۔ اگر سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو باغ ہائے جنت میں جن میں نہریں بہ رہی ہیں اور پاکیزہ مکانات میں جو بہشت ہائے جاودانی میں تیار ہیں داخل کریگا۔ یہ بڑی کامیابی ہے اور ایک اور چیز جس کو تم بہت چاہتے ہو یعنی تمہیں اللہ کی طرف سے مدد نصیب ہو گی اور فتح عنقریب ہو گی اور مومنوں کو اس کی خوشخبری سنادو۔ اے ایمان والو اللہ کے مددگار بن جاؤ جیسے عیسٰی ابن مریم نے حواریوں سے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور ایک گروہ کافر رہا۔ آخر الامر ہم نے ایمان لانے والوں کو ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد دی اور وہ غالب آ گئے" (الصف 10 تا 14)

خواجہؒ کا خصوصی خط

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے اپنے مریدین کو جو خطوط تحریر فرمائے ان میں آپ کی تعلیم کا رنگ پوری طرح جھلکتا نظر آتا ہے۔ آپ کی شہرہ آفاق کتاب "تعمیر ملت" پہلی مرتبہ 1957ء میں چھپی تھی حالانکہ آپ نے بیعت کا سلسلہ 1951ء میں شروع کر دیا تھا اس لئے ابتدا میں آپ کی تعلیم سے مستفید ہونے کا ذریعہ ذاتی مجالس میں حاضری یا خط و کتابت ہی تھا۔ آپ کے مکتوبات میں سالکین کی راہنمائی کے لئے نہات نفع بخش اور نادر نکات ملتے ہیں۔ اسی لئے گذشتہ کئی برس سے پرانے بھائیوں کے تعاون سے ہم "خواجہ کے خطوط" آپ کی خدمت میں پیش کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اس مرتبہ ہم قبلہ حضرتؒ کا ایک خصوصی خط بھائیوں کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں جس میں آپؒ نے یہ نوٹ تحریر فرمایا تھا کہ "اس خط کو محفوظ رکھیں" چنانچہ حکمت کا یہ محفوظ درس آپ کے سپرد کر رہے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے سفر میں آپ کے ذوق و شوق میں اضافہ اور استقامت نصیب ہو۔ یہ نامہ مبارک بنوں سے 1960-1-19 کو شیخ اصغر علی کے نام لکھا گیا تھا۔

"جو لوگ کہنا پوری طرح مانتے ہیں اور بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرتے ہیں ہمیشہ دین و دنیا میں سرخ رو رہتے ہیں۔ جو شکایتیں کرتے رہتے ہیں اور خود کچھ نہیں کرتے وہ یہاں بھی نقصان اٹھاتے ہیں اور وہاں بھی اٹھائیں گے۔ سارجنٹ محمد صاحب پر خاص توجہ کرنا۔ نگران کو خوب سمجھا دیں کہ اللہ کا ملنا کسی محبوب مجازی کا ملنا نہیں ہے کہ دو چار ماہ اس کے گھر کے چکر لگائے اور کچھ روپیہ خرچ کیا اور دیدار حاصل ہو گیا۔ یہاں تو وہ اگر عمر بھر بھی نہ ملے اور مرتے وقت ایک جھلک نظر آ جائے تو بھی بہت سستا سودا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد ایسے طالب کا حشر اللہ کی گود کے سوا کہیں نہیں ہو گا۔ بس یہی خاص ہدایت ان کے لئے ہے کہ جلدی بالکل نہ کریں۔ کہنے کے مطابق عمل کرتے رہیں۔ اخلاق کا تزکیہ کریں۔ غصہ اور نفرت سے دل کو پاک کریں اور تبتل الیہ تبتیلا - پر پورا عمل کریں۔ ایک معزز مہمان کو بلانا ہو تو آپ گھر کو خوب صاف کرتے ہیں۔ کوڑے کرکٹ، میل مٹی،

گرد سے گھر کو پاک کرتے ہیں۔ سفیدی کراتے ہیں تب اس مہمان کو بلاتے ہیں۔ اللہ کا گھر انسان کا دل ہے۔ لہٰذا جب تک دل کو اس کے تشریف لانے کے قابل نہ بناؤ گے وہ کیسے آئیں گے۔ اور دل کی میل، مٹی اور کوڑا کرکٹ یہی غم، غصہ، غیبت، غرور، حسد، نفرت، بدگوئی، بدظنی وغیرہ جیسی باتیں ہیں۔ ان سب کو نفی کرو اور ذکر و عبادت کی سفیدی اس میں کراؤ۔ اخلاق حسنہ کے پھولوں (جس میں محبت اور صداقت سب سے اچھے پھول ہیں) سے اسے سجاؤ۔ پھر دیکھو کہ وہ کیسے جلوہ آرا نہیں ہوتے۔ میری حلقے والوں کو پہلی نصیحت ہی یہ ہوتی ہے کہ اپنا اخلاق رسول اللہ ﷺ جیسا بناؤ۔ زبان شیریں ہو، حرکات ملائم اور شائستہ ہوں۔ سب سے محبت ہو۔ حق پر قائم رہو۔ برائی کا بدلہ بھلائی سے اور سختی کا جواب نرمی سے دو۔ خدمت کرو۔ اسی کا نام نیکی اور ولایت اور بزرگی ہے۔ قلب میں لاکھ گرمی ہو، جذب ہو، کشف ہوتا ہو، کرامات سرزد ہوتی ہوں لیکن اگر اخلاق اچھا نہیں تو یہ سب محض شیطانی باتیں ہیں۔ اخلاق اچھا ہو تو یہی رحمانی صفات ہیں۔ دنیا کے کام اور منصبی ڈیوٹیاں ایمانداری، جوش، خوشی اور خوش اسلوبی سے انجام دیں۔ ہر وقت اللہ کو یاد رکھیں اور اس سے محبت بڑھاتے رہیں۔ اللہ کے سوائے کسی کو قادر یا تقدیر کا بنانے اور بگاڑنے والا نہ مانیں۔ عزت البتہ سب بزرگوں کی کریں یہی سیدھا راستہ ہے۔ یہ خط اور سب کو بھی سنا دیں۔ آپ کے دنیا کے کام بھی انشاء اللہ رفتہ رفتہ سب درست ہو جائیں گے دنیا کے خیالات کو اللہ کی یاد پر ہرگز غالب نہ آنے دیں"

عالمگیر محبت اور صداقت

(عبدالحکیم انصاریؒ)

محبت کے جذبہ کی جتنی بھی تعریف کی جائے بہت کم ہے۔ محبت کا جذبہ ہی تخلیق عالم کا اصل سبب ہے۔ دنیا کی تمام خوبیاں' زینتیں' رونق' زیبائش و آرائش محبت ہی کی وجہ سے ہے۔ ہر نوع کی مادہ جو اپنے بچوں کو پرورش کرتی ہے محبت ہی کے جذبہ سے کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت خالصتاً محبت ہی ہے' عورت اسی شان ربوبیت کا مثالی مظہر ہے' خالق اپنی مخلوق سے جتنی محبت کرتا ہے کوئی ماں اپنے بچوں سے بھی اتنی محبت نہیں کرتی' اس لئے سالک کو چاہئے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے محبت کرے۔ یہ ایک تعمیری جذبہ ہے اور دنیا کی فلاح و بہبود اور تمدن و تہذیب کی ترقی اسی جذبہ پر منحصر ہے۔

محبت پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کی صرف خوبیوں کو دیکھو ان کی برائیوں کو نہ دیکھو۔ یاد رکھو کہ انسان کمزوری اور خطا کا مرکب ہے' ہر شخص غلطیاں کرتا ہے' تم خود معصوم نہیں ہو' اس لئے دوسروں کی غلطیوں اور خطاؤں پر ان کے ساتھ درشتی نہ کرو بلکہ عفو و کرم سے پیش آؤ اور یقین رکھو کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ عفو و کرم سے پیش آؤ گے تو اللہ تعالیٰ بھی تمہارے ساتھ عفو و کرم سے ہی پیش آئے گا۔ محبت پیدا کرنے کی دوسری ترکیب یہ ہے کہ دل کو غصہ اور نفرت کے جذبات سے پاک رکھو اور لوگوں پر احسان کیا کرو اور جو کوئی تم پر احسان کرے تم اس کو خوشی سے قبول کرو اور اس کا شکریہ ادا کرو اور احسان کا بدلہ احسان سے دو۔ احسان کے معنی محض نیکی کرنے کے ہیں لیکن آج کل اس کو گالی سمجھا جاتا ہے' چنانچہ زبان میں بے شمار ایسے فقرے پیدا ہو گئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ احسان کوئی بہت ہی بری چیز ہے مثلاً "میری جوتی اس کا احسان اٹھاتی ہے' میں تیرے باپ کا احسان مند نہیں ہوں وغیرہ۔ یہ نہایت ہی غیر اسلامی خیالات ہیں' اگر احسان اٹھانا برا ہوتا تو قرآن میں احسان کرنے اور احسان کا بدلہ احسان سے دینے کا حکم کیوں دیا جاتا۔ احسان سے جماعت میں رابطہ اور اتحاد پیدا ہوتا ہے تعمیر ملت کے لئے احسان بہت ضروری ہے۔

یہاں ایک خیال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک طرف تو آپ کہتے ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ سے قلبی تعلق اور محبت رکھو، دوسری طرف تمام مخلوق سے محبت کرنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مخلوق سے محبت کرو صرف اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانی اور اللہ تعالیٰ کی محبوب ہے۔ اس طرح تم جس قدر محبت مخلوق سے کرو گے اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھتی جائے گی اور جن ہستیوں سے اللہ تعالیٰ بہت زیادہ محبت کرتا ہے تم کو بھی ان سے نسبتاً" اسی قدر محبت زیادہ ہو جائے گی۔ غایت اس کی یہ ہے کہ تمہارے دل میں خالص محبت کا جذبہ سمندر کی طرح جوش مارنے لگے۔

صداقت

صداقت کہنے کو ایک چھوٹا سا لفظ ہے لیکن انسان کے تمام اقوال و افعال اور حرکات و سکنات پر حاوی ہے۔ لوگ صداقت کے معنی صرف سچ بولنے کے سمجھتے ہیں، یہ بات نہیں ہے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، دل سب ہی کی صداقت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ سورہ بنی اسرائیل میں فرماتا ہے کہ کان، آنکھ اور دل سبھی کی پوچھ ہو گی، یہاں ہر ایک کے افعال الگ الگ لکھنے کی گنجائش نہیں، صرف یہ بتا دینا کافی ہے کہ ہر عضو کے افعال کا اوامر الٰہی کے مطابق ہونا ہی صداقت ہے۔

صداقت اس قدر ضروری ہے کہ اگر کبھی محبت اور صداقت کا مقابلہ آن پڑے تو صداقت پر عمل کرنا اور محبت کو قربان کر دینا چاہئے ورنہ تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا، مثلاً" اگر تم جج یا مجسٹریٹ ہو اور تمہارا اپنا بیٹا ملزم کی حیثیت سے تمہارے سامنے آئے اور تمہاری تحقیق کے مطابق وہ واقعی مجرم ہو تو محبت کی وجہ سے اس کو رہا اور بری کر دینا ہر گز جائز نہیں بلکہ صداقت کی بنا پر پوری سزا دینا تمہارا فرض ہے۔ اس بارے میں حضرت عمرؓ کی مثال یاد رکھو کہ کس طرح انہوں نے اپنے لخت جگر کو درے لگوائے اور جب وہ مر گئے تو بیس درے ان کے مردہ جسم پر پورے کئے اور پھر لاش کو گلے لگا کر روئے اور پیار کیا اور کہا بیٹا یہ میں نے اس لئے کیا ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے پاک و صاف جائے اور وہاں جواب دہ نہ ہو۔ اب تفکر کا بیان سنئے، لیکن پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ جب تک اوپر بتائی ہوئی آٹھ باتوں میں کافی دستگاہ نہ ہو جائے تفکر شروع نہ کیا جائے ورنہ عام حالتوں میں بجائے فائدے کے نقصان ہوتا ہے، ہاں شیخ کامل کسی خاص طالب میں یہ

استعداد دیکھے تو کسی خاص منزل سے بھی شروع کرا سکتا ہے۔

9۔ تفکر

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جابجا حکم دیا ہے کہ ہماری آیات پر غور کرو' آیات سے مراد کہیں تو قرآن کی آیات و عبارت ہی ہے لیکن زیادہ تر زمین و آسمان میں قدرت کی نشانیاں مقصود ہیں۔ اس حکم پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ عبادت کے احکام پر بھی نہیں دیا گیا۔ عبادت کے متعلق تقریباً ایک سو پچاس آیات ہیں لیکن مطالعہ کائنات کے متعلق چھ سو سے زیادہ آیات ہیں۔ اس مطالعہ اور غور و فکر سے یہ مطلب نہیں کہ بس بیٹھے ہوئے آنکھ بند کر کے سوچتے رہو اور جب دماغ تھک جائے تو سوچنا چھوڑ دو' بلکہ مقصد یہ ہے کہ اشیائے کائنات کی ہیئت ترکیبی اور خواص کا علم حاصل کرو اور ان قوانین فطرت کا مطالعہ کرو جن کی بدولت کائنات کا یہ نظام قائم ہے اور جو علم اس طرح حاصل ہو اس سے خود فائدہ اٹھاؤ اور نوع انسانی کو فائدہ پہنچاؤ۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ اختلاف لیل و نہار پر غور کرو' اس کا مطلب یہ ہے کہ تم یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ دن رات کیوں ہوتے ہیں پھر چھوٹے بڑے کیوں ہو جاتے ہیں اور موسم کیوں بدلتے ہیں۔ اگر ہمارے علماء اس حکم خداوندی کی تکمیل کرتے تو وہ یہ معلوم کر لیتے کہ زمین گول ہے اور اپنے محور اور مدار کے گرد گھومتی ہے' لیکن اس حکم پر انہوں نے نہیں بلکہ اغیار نے عمل کیا اور انہوں نے یہ باتیں معلوم کیں جن سے جغرافیہ اور علم ہیئت میں ایک بڑے مفید باب کا اضافہ ہوا۔ ان احکام میں "حکمت" یہ ہے کہ ایک تو تم قیامت تک عمل میں مصروف رہو گے جو قوموں کی زندگی کے لئے پہلی شرط ہے' دوسرے یہ کہ تمہاری قوم برابر ترقی کرتی رہے گی اور دوسری قوموں پر زیادہ غالب رہے گی۔ ان احکام میں سے مثال کے طور پر یہاں صرف دو آیتیں بیان کی جاتی ہیں سورہ اعراف آیت ۱۸۵ میں ارشاد ہوتا ہے

اولم ینظروا فی ملکوت السموت والارض وما خلق اللہ من شیی وان عسی ان یکون قداقترب اجلھم۔

"کیا یہ لوگ کائنات اور اس میں جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں ان پر غور نہیں کرتے

معلوم ہوتا ہے کہ ان کی موت قریب آ گئی ہے"

سورہ عنکبوت آیت ۲۰ میں حکم دیتے ہیں

قل سیروفی الارض فانظرو کیف بدالخلق

"مسلمانوں سے کہو کہ وہ کرہ زمین میں چل پھر کر دیکھیں کہ آفرینش کی ابتدا کیسے ہوئی"

ملاحظہ فرمایا آپ نے یہ آیتیں کس قدر واضح ہیں۔ پہلی آیت میں صاف صاف تنبیہہ ہے کہ جو قوم کائنات کی تخلیق پر غور یعنی قوانین فطرت کو معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرے گی وہ فنا ہو جائے گی، مٹ جائے گی۔ دوسری آیت میں تخلیق کائنات کا علم حاصل کرنے کے لئے کرہ زمین پر تحقیق کی غرض سے سفر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ الغرض کائنات کی چیزوں میں غور و فکر اور ان کی حقیقت و ماہیت معلوم کرنے کی کوشش کرنا مسلمانوں کے لئے اس قدر ضروری ہے کہ خود حضور سرور کائنات بھی اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے :۔

اللھم ارنا حقائق کل الاشیاء کما ھی

یعنی "اے اللہ ہمیں تمام اشیاء کی اصلی حقیقت سے آگاہ فرما" اس حدیث پاک کا ایک ایک لفظ جواہرات سے زیادہ قیمتی ہے خصوصاً الفاظ "ہمیں" "تمام" اور "اصلی" خاص توجہ کے قابل ہیں، یعنی رسول پاک ﷺ اشیاء کا علم خود اپنے لئے ہی نہیں بلکہ امت کے ہر فرد کے لئے چاہتے تھے، سبحان اللہ کیا کرم ہے۔ "تمام" سے مقصود یہ ہے کہ کوئی چیز بھی کائنات میں ایسی باقی نہ رہ جائے جس کا علم کسی مسلمان کو نہ ہو۔ "اصلی" سے مقصد یہ ہے کہ حقیقت معلوم ہونے میں بال برابر شبہ یا کسر نہ رہے۔ علاوہ ازیں حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ

تفکر ساعتہ خیر من عبادۃ ستن سنتہ

یعنی "ایک گھڑی کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے" ان آیات و احادیث کو پڑھنے کے بعد یقیناً ہر وہ مسلمان جس کے دل میں اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی ذرا سی محبت و عزت ہے شرم سے اپنا سر نیچا کرلے گا اور یہ سوال کرنے کی ہرگز جرات نہیں کرے گا کہ ہمارے قومی زوال اور تباہی کی وجوہات کیا ہیں؟

حقیقت کائنات کی تخلیق کا نتیجہ کون کون سے علوم ہیں ؟ کیا آپ انکار کر سکتے ہیں کہ وہ علوم طبیعات، علم الکیمیا، علم طبقات الارض، علم الحیوۃ، علم نباتات، علم معدنیات، علم الحیوانات، فلکیات، علم ریاضی اور بے شمار دوسرے علوم ہیں جو آج کل یورپین اور امریکن اقوام کی واحد اجارہ داری میں پھل پھول رہے ہیں اور انہی علوم کی برکت سے وہ قومیں متمدن، مہذب، خوش حال اور صاحب اقتدار ہیں اور.........ہم؟

ع کچھ نہ پوچھ اے ہم نشیں تو میری بابت کچھ نہ پوچھ

ہمارے ہاں تو ان علوم کا نام لینا بھی گناہ ہے، کونسے علوم کا......؟ انہی علوم کا جن کو حاصل کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور جن کے حصول کے لئے رسول اللہ دعا فرمایا کرتے تھے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے احکام پر ہمارا عمل، کیا اس معاملہ میں قرآن کی یہ آیت ہمارے اوپر صادق نہیں آتی جس میں فرمایا گیا ہے کہ ”کیا تم قرآن کی بعض باتوں کو تو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے، جو ایسا کرتا ہے اس کی سزا اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس دنیا میں اس کی رسوائی ہو اور آخرت میں ایسے لوگ سخت عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں گے“۔ یہ آیت شروع میں دی جا چکی ہے، کیا اب بھی آپ کو شک ہے کہ آپ کی تباہی اور دنیا میں رسوائی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ آپ ماڈرن علوم حاصل نہ کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں جس چیز کی سزا میں یہ رسوائی ہو رہی ہے۔

اب ہم تمام مسلمانوں خصوصاً علمائے دین اور امرائے ملت سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ایمانداری سے اپنا محاسبہ کریں کہ آپ نے اللہ تبارک تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں کہاں تک سعی کی ہے، نہیں کی تو کیا آپ کو کبھی خوف آتا ہے کہ مرنے کے بعد اس غفلت کے لئے آپ سے باز پرس کی جائے گی۔ علمائے دین میں کون ہے جس نے یہ علوم یا ان میں سے کوئی سا علم حاصل کیا ہے؟ امرائے ملت میں سے وہ کون ہے جس نے سکول، کالج، معمل (لیبارٹری) یا کوئی ادارہ ان علوم کے لئے کھولا ہے یا اس کے لئے کچھ روپیہ اللہ کے دیئے ہوئے روپے میں سے خرچ کیا ہے؟

نفس پرستی یا خدا پرستی

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

امیر جمع ہیں احباب درد دل کہہ لے
پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

صاف اور کھری باتیں

دوستو! میں اس وقت آپ سے کچھ دل کی باتیں کہنا چاہتا ہوں اور اس طرح کہنا چاہتا ہوں جیسے میں آپ میں سے ہر ایک کے ساتھ تنہا بیٹھا ہوا گفتگو کر رہا ہوں۔ فی الواقع اگر کوئی اس کا امکان ہو تاکہ آپ میں سے ہر دوست سے الگ ہی الگ اپنے دل کی بات کہہ سکتا تو ضرور ایسا ہی کرتا' تاکہ آپ اسے تقریر سمجھ کر نہیں' بلکہ ایک دوست کا درددل سمجھ کر سنتے' مگر کیا کروں ایسا ممکن نہیں ہے' اگر یہ چیز ممکن ہوتی تو الیکشن میں کھڑے ہونے والے امیدوار ضرور اس پر عمل کرتے اور وہ اپنی انتخابی مہم کے سلسلے میں جلسے منعقد نہ کرتے' اس لئے کہ انہیں جلسوں میں وہ باتیں کہنا ہوتی ہیں جو تنہائیوں میں لے جا کر کسی کے کان میں بھی کہنا گراں ہوتی ہیں' یعنی اپنی تعریف' اپنی اہلیت کا اظہار اور اپنی شان میں آپ ہی قصیدہ خوانی' اس لئے میں بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ آپ سے یہ درخواست کروں کہ براہ کرم میری گذارشات کو اسٹیج کی نہیں' بلکہ دل کی باتیں سمجھ کر سنئے۔

نفس پرستی یا خدا پرستی

دوستو اور بزرگو! دنیا میں زندگی کے بہت سے طرز رائج ہیں اور اس کی بہت سی قسمیں سمجھی جاتی ہیں۔ مشرقی زندگی' مغربی زندگی' جدید طرز زندگی' قدیم طرز زندگی وغیرہ وغیرہ لیکن حقیقت میں زندگی کی بنیادی قسمیں صرف دو ہیں' ایک نفس پرستانہ زندگی' دوسری خدا پرستانہ زندگی' باقی جتنی قسمیں جتنے مختلف ناموں سے مشہور ہیں وہ سب ان ہی دو کی شاخیں ہیں۔

پہلی قسم کی زندگی یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو ایک شتر بے مہار سمجھ کر زندگی گذارے اور جو

من میں آئے وہ کر گزرے، اس کو من مانی زندگی بھی کہہ سکتے ہیں، دوسری قسم کی زندگی ایسے آدمی کی زندگی ہے جو یقین رکھتا ہے کہ اسے کسی نے پیدا کیا ہے، وہ پیدا کرنے والا ہی اس کی زندگی کا مالک اور حاکم ہے، وہ اس کی ضرورتوں اور مصلحتوں کو سب سے زیادہ جانتا ہے، اس کی طرف سے زندگی گذارنے کے کچھ ضابطے اور قاعدے ہیں جن کی پابندی کرنا ضروری ہے۔

نفس پرستی خدا پرستی سے ہمیشہ برسرپیکار رہی ہے

ہندوستان میں مہابھارت ایک بہت بڑی تاریخی لڑائی ہوئی ہے۔ مجھے اس کی تاریخی حیثیت سے انکار نہیں ہے، مگر اس دنیا میں ایک دوسری مہا بھارت بھی پائی جاتی ہے۔ یہ ہندوستان کی مشہور مہابھارت سے زیادہ قدیم ہے، یہ وہ لڑائی ہے جو خدا پرستی اور نفس پرستی کے درمیان ہمیشہ سے جاری ہے، یہ لڑائی کسی ایک ملک ہی تک محدود نہیں رہی ہے، بلکہ دنیا کے ہر ہر ملک میں پہنچی اور نہ یہ جنگ کے میدانوں تک محدود رہی، بلکہ اس کے معرکے گھروں کے اندر بھی ہوئے ہیں، یہ زندگی کے دو اصول ہیں جو ہمیشہ ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتے رہے ہیں، حضرات پیغمبران نے اپنے اپنے وقتوں میں ہر جگہ خدا پرستانہ زندگی کی دعوت دی ہے، اور ان کی کامیابی کے دور میں اسی قسم کی زندگی کا دور دورہ رہا، لیکن نفس پرستی ہمیشہ کے لئے کبھی فنا نہیں ہوئی، بلکہ اسے جب بھی موقع ملا وہ زندگی پر قابض ہو گئی۔ بدقسمتی سے ہمارا زمانہ وہ ہے جس میں نفس پرستی زندگی پر پوری طرح مسلط ہے، زندگی کا ہر شعبہ اور ہر میدان اس کی گرفت میں آیا ہوا ہے، گھروں میں نفس پرستی، بازاروں میں نفس پرستی، دفتروں میں نفس پرستی، کارخانوں میں نفس پرستی، گویا ایک سمندر ہے جو خشکی میں پورے زور شور سے بہہ رہا ہے اور ہم اس میں گلے گلے اترے ہوئے ہیں۔

نفس پرستی مستقل ایک مذہب ہے

نفس پرستی اب مستقل ایک مذہب بن چکا ہے، نہیں بلکہ ہمیشہ سے اس کی یہ نوعیت رہی ہے اور اس مذہب کے ماننے والوں کی تعداد سب سے زیادہ رہتی ہے، ہرچند کہ مذاہب کی فہرست میں نام کا کوئی مذہب نہیں بتلایا جاتا اور نہ اس نام سے کسی مذہب کے ماننے والوں کی تعداد کا شمار کیا جاتا

ہے، مگر یہ اپنی جگہ بالکل حقیقت ہے کہ یہ دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے اور اس کے ماننے والے سب سے زیادہ تعداد میں پائے جاتے ہیں، آپ کے سامنے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے اعداد و شمار آتے ہیں کہ عیسائی مذہب کے پیرو اتنے، اسلام کے پیرو اتنے اور ہندو دھرم کے ماننے والے اتنے، مگر ان میں سے ہر ایک میں ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو کہلاتے تو ہیں مذہبا" عیسائی، ہندو اور مسلمان لیکن در حقیقت اسی مذہب نفس پرستی کے پیرو ہیں۔

نفس پرستی کی زندگی کا رواج اور اس مذہب کی مقبولیت صرف اس وجہ سے ہے کہ آدمی کو اس میں مزہ بہت آتا ہے، مانا کہ نفس پرستی کی زندگی بڑے مزے کی اور بڑی لطف کی زندگی ہے اور ہر آدمی کی طبعی خواہش لطف اندوزی ہوتی ہے، لیکن اگر دنیا کے تمام انسانوں کو سامنے رکھ کر سوچا جائے تو پھر اس قسم کی زندگی دنیا کے لئے ایک لعنت ہے اور اس کی ساری مصیبتیں اور سارے دکھ اسی نفس پرستی کا نتیجہ ہیں اور دنیا کی ساری تباہیوں، تمام قحطوں اور ناانصافیوں کی ذمہ داری انہیں لوگوں پر عائد ہوتی ہے، جو اس منحوس مذہب کے پیرو ہیں۔

اس دنیا میں اس مذہب کی گنجائش صرف اس صورت میں نکل سکتی ہے کہ پوری دنیا میں صرف ایک انسان کا وجود ہو، اسی صورت میں وہ اپنے نفس کی مانگوں کو من مانے طور پر پورا کرنے کا حق دار ہو سکتا ہے، لیکن واقعہ یوں نہیں ہے، اس دنیا کے پیدا کرے والے نے اس میں کروڑوں اربوں انسانوں کو بسایا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ نفس، خواہشات نفس اور ضروریات نفس لگی ہوئی ہیں، ایسی صورت میں جو شخص بھی من مانی زندگی گذارنے کی کوشش کرتا ہے وہ گویا اس واقعہ سے آنکھ بند کرتا ہے کہ اس کے ساتھ اس کے اور بھی ہم جنس رہتے ہیں، لیکن واقعہ سے آنکھیں بند کرنے سے واقعہ غلط نہیں ہو جاتا وہ اپنی جگہ پر رہتا ہے، اس لئے کچھ لوگوں کی نفس پرستی کا نتیجہ لامحالہ دوسروں کی مشکلات اور مصائب کی شکل میں نکلے گا۔

نفس پرست من کا راجہ ہوتا ہے

نفس پرستی کی زندگی گذارنے والا من کا راجہ ہوتا ہے، من کا راجہ وہ راجہ ہے کہ ساری کائنات میں بھی اس کی خواہشات کا سکہ چلے تو اس کا پیٹ اتنے میں بھی نہیں بھر سکتا، وہ اس سے

اور زیادہ کا خواہشمند رہے گا۔ غور فرمایئے کہ جب یہ ساری کائنات بھی ایک من کے راجہ کی تسکین کے لئے ناکافی ہے تو آج ایک ایک گھر کی محدود سی دنیا میں کئی کئی من کے راجہ پائے جاتے ہیں' وہ کیونکر تسکین اور چین پاسکتے ہیں' اس نفس پر ی کے مرض نے ایک ایک گھر میں چار چار من کے راجہ پیدا کر دیئے ہیں' باپ بھی راجہ' ماں بھی رانی' بیٹا بھی راجہ اور بیٹی بھی من کی رانی تو کیونکر گھروں میں چین اور سکون رہ سکتا ہے؟ یہ نفس پرستی کی زندگی جس کو ہر شخص حاصل کرنا چاہتا ہے' ایک آگ بنی ہوئی ہے' جس میں ایک گھر کے افراد بھی جل رہے ہیں' ایک ملک کی قوم بھی جل رہی ہے اور دنیا کی پوری آبادی بھی جھلس رہی ہے۔

نفس پرستی کی زندگی مصیبتوں کی جڑ ہے

دوستو! دنیا کی مصیبتوں کی جڑ یہی ہے کہ ہر شخص اپنے نفس کی اطاعت کرنا چاہتا ہے اور ان مصیبتوں کا علاج یہ ہی کہ من کا کہا ماننے کے بجائے خدا کی اطاعت کرو' یہ دنیا کروڑوں کی تو کیا دو آدمیوں کی بھی من مانی کی گنجائش اپنے اندر نہیں رکھتی' اس لئے من مانی زندگی گزارنے کے خیال کو چھوڑ دو اور اس طرح زندگی گذارنے کی کوشش کرو جس کا پیغام اللہ کے پیغمبر نے دیا تھا۔ یعنی خدا پرستی کی زندگی' اس دنیا کو پیدا کرنے والے نے ہر زمانہ میں اس زندگی کے پیغامبر پیدا کئے' کیونکہ اسی طرز زندگی سے دنیا کا نظام چل سکتا تھا۔ ان پیغمبروں نے پوری طاقت سے اس طرز زندگی کی دعوت دی اور نفس پرستی کا زور توڑنے کی اپنی طاقت بھرپوری کوشش کی' لیکن جیسا کہ میں شروع میں عرض کرچکا ہوں کہ پھر بھی نفس پرستی کا رواج دنیا میں مٹا نہیں اور جب بھی خدا پرستی کی دعوت کمزور پڑی' نفس پرستی کا رواج بڑھ گیا اور اس کا سیلاب آتے ہی دنیا کے عام لوگوں کی مصیبتیں بھی بڑھ گئیں اور ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئیں۔ مثال کے طور پر چھٹی صدی عیسوی کا زمانہ دیکھئے۔ اس صدی میں نفس پرستی کی زندگی کا رواج انتہائی عروج کو پہنچ گیا تھا۔ ملک ملک اس کا دور دورہ تھا' یہ ایک بہتا ہوا دریا تھا جس کے دھارے پر ہر چھوٹا بڑا بہہ رہا تھا' بادشاہ اپنی نفس پرستی میں مبتلا تھے' رعایا ان کی نقل میں نفس پرستی کا شکار تھی' مثال کے طور پر ایران کا حال بیان کرتا ہوں۔ وہاں قوم کا ہر طبقہ نفس پرستی کا بیمار تھا۔ شاہ ایران کی نفس پرستی کا یہ حال تھا کہ ان کی بیویوں

کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ جب مسلمانوں نے اس ملک کو اس مصیبت سے نجات دلانے کے لئے حملہ کیا اور ایران کا بادشاہ تخت چھوڑ کر بھاگا تو ایسے نازک وقت میں بھی یہ حال تھا کہ اس کے ہمراہ ایک ہزار باورچی تھے' ایک ہزار گویے تھے اور ایک ہزار باز اور شکرے کے محافظ و منتظم تھے' مگر اس پر بھی اس کو افسوس تھا کہ بڑی بے سروسامانی میں نکلا ہوا ہے' اس زمانے کے جنرل اور سپہ سالار ایک ایک لاکھ کی ٹوپی اور ایک ایک لاکھ کا پٹکا لگاتے تھے' اونچی سوسائٹی میں معمولی کپڑے پہننا گویا جرم تھا' لیکن اس طبقے کی نفس پرستی نے عوام کو کن مشکلات میں مبتلا کر دیا' اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ کسانوں کا یہ حال تھا کہ وہ لگان بھی نہیں دے سکتے تھے اور زمینیں چھوڑ چھوڑ کر خانقاہوں اور عبادت گاہوں میں جا بیٹھتے تھے' متوسط طبقے کے لوگ امراء کی ریس میں دیوالیہ ہوئے جا رہے تھے' چنانچہ معاشی لوٹ کھسوٹ برپا تھی' عرضی زندگی کیا تھی ایک ریس کا میدان تھی' ظلم و زیادتی عام تھی' ہر بڑا اپنے چھوٹے کو اور حاکم اپنے محکوم کو لوٹنے اور اس کا خون چوسنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ اور پوری سوسائٹی میں ایک سڑاہند پھیلی ہوئی تھی۔ آپ سمجھتے ہیں کہ ایسی سوسائٹی میں اخلاق' عقائد اور کیریکٹر کیسے پنپ سکتا ہے اور کس کو آخرت کی فکر اور اخلاقی ذمہ داریوں کا احساس رہ سکتا ہے' ان تمام اعلیٰ چیزوں کو تو نفس پرستی کا سیلاب بہائے لے چلا جا رہا تھا' لیکن کوئی نہ تھا جو اس سیلاب پر بند باندھتا اور اس دھارے کو روکتا۔ علماء' ادباء اور فلاسفر سب اسی کے رخ پر تنکوں کی طرح بہہ رہے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ہی نفس پرستی کے دھارے کو موڑا

کسی میں ہمت نہ تھی جو دھارے کے رخ کے خلاف پیر کر دکھاتا اور دھارا بھی کونسا؟ پانی کا نہیں عام رواج کا دھارا؟ اس کی ہمت ایک شیر دل انسان ہی کر سکتا ہے' اللہ کو منظور تھا کہ اس دھارے کا رخ موڑا جائے' اس کام کے لئے اس نے عرب میں ایک انسان کو پیدا کیا اور اس کو نبوت عطا کی' جس کو ہم محمد رسول اللہ ﷺ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جنہوں نے دھارے کے خلاف صرف پیر کر ہی نہیں۔ بلکہ اس کا رخ موڑ کر دکھا دیا۔

اس وقت کسی ایسے آدمی سے کام نہیں چل سکتا تھا جو دھارے کا رخ تو نہ موڑ سکے بلکہ اس

میں بہنے والی چیزوں کو نکال لائے' اس لئے کہ اس وقت کوئی ایسا محفوظ مقام نہ تھا' جہاں اس سیلاب کا دھارا نہ چل رہا ہو۔ عبادت گاہوں اور کلیساؤں تک کو تو اس سیلاب نے اپنی زد میں لے رکھا تھا۔ اس سمندر میں کوئی ٹاپو نہ تھا اور اگر تھا تو وہ ہر آن خطرے کی زد میں تھا' ایمان' اخلاق' شرافت' تہذیب اور مختصر الفاظ میں انسانیت کی روح کو اس سیلاب سے بچانے کا کام اگر کوئی شخص کر سکتا تھا تو وہی شخص کر سکتا تھا جس میں دھارے کا رخ موڑ دینے کی ہمت ہو' ایسی ہستی اس وقت صرف اللہ کے اسی آخری پیغمبر کی تھی جس نے رواج عام کے اس دھارے کو جو ایک طوفانی انداز میں نفس پرستی کی سمت بہہ رہا تھا' چند سال کی کوشش سے خدا پرستی کی طرف پھیر دیا' ہمیں جو چھٹی صدی عیسوی کی دنیا کی تاریخ میں ایک دم سے ایک حیرت انگیز انقلاب نظر آتا ہے جس نے ساری زندگی اور بالآخر ساری دنیا کو متاثر کیا اور اب بھی جو کچھ انسانیت اور خدا پرستی کا بچا کھچا سرمایہ ہے وہ سب انہیں کی محنت کا فیض ہے۔

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انہیں کی لگائی ہوئی ہے

ممکن ہے کہ آپ میں سے کسی کو یہ شبہ گذرے کہ یہ کہنا تو صحیح نہیں ہے کہ اس زمانے میں عام طور پر لوگ صرف نفس پرست تھے' کیونکہ وہاں دوسری "پرستیاں" بھی موجود تھیں' کچھ لوگ سورج پرست تھے' کچھ آگ کو پوجتے تھے' کچھ صلیب پوجتے تھے' کچھ درختوں کو پوجتے تھے اور کچھ پتھروں کی پرستش کرتے تھے' ٹھیک ہے' یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے' مگر یہ تمام "پرستیاں" اسی ایک پرستی کی قسمیں تھیں جس کے رواج کا میں دعویٰ کر رہا ہوں' یہ ساری "پرستیاں" اسی لئے کی جاتی تھیں کہ یہ نفس پرستی کے مخالف نہ تھیں' یہ "پرستیاں" من مانی زندگی گذارنے میں رکاوٹ نہیں ڈالتی تھیں' آگ' پیڑ' پتھر' سورج وغیرہ ان سے نہ کہتے تھے کہ یہ کام کرو اور یہ مت کرو' اس لئے وہ ان کی پرستش کے پہلو بہ پہلو اپنے نفس کی اطاعت بھی کرتے رہتے تھے' ان دونوں میں کوئی تناقض نہیں پاتے تھے' بہرحال ہمارے پیغمبر ﷺ نے اس سیلاب سے لڑنے اور اس کا رخ موڑ دینے کا بیڑا اٹھایا اور پوری سوسائٹی سے لڑائی مول لی' حالانکہ آپ اپنی اس سوسائٹی میں بہت مقبول

وہردلعزیز تھے' صادق و امین کے معزز لقب سے یاد کئے جاتے تھے اور اس لئے آپ کو ترقی کے بڑے بڑے مواقع حاصل تھے' آپ کو اپنی قوم کا اتنا اعتماد حاصل تھا کہ ترقی کا کوئی اونچے سے اونچا مقام نہ تھا جو آپ کو مل نہ سکتا۔ مگر یہ سب کچھ ممکن تھا جب آپ ان کی زندگی کے رخ کو غلط نہ کہتے اور اس کو ایک دوسرے رخ پر موڑ دینے کے عزم و ارادہ کا اظہار نہ فرماتے' مگر آپ کو تو اللہ نے کھڑا ہی اس لئے کیا تھا کہ بہاؤ کے رخ پر نہ خود بہیں اور نہ کسی کو بہنے دیں' اس لئے سب سے پہلے تو آپ نے اپنی زندگی کو خدا پرستی کی زندگی کا نمونہ بنا کر پیش کیا اور بالفاظ دیگر دھارے کے خلاف پیر کر دکھایا اور پھر پوری سوسائٹی کے رخ کو نفس پرستی سے ہٹا کر خدا پرستی کی طرف موڑ دینے کی کوشش شروع کی۔

خدا پرستی پیدا کرنے کی تین بنیادی چیزیں

اس کوشش کو کامیاب بنانے کے لئے آپ نے تین چیزیں لوگوں کے سامنے پیش کیں۔

(1)! یہ یقین کرو کہ تمہارا اور اس ساری دنیا کا پیدا کرنے والا اور اس پر حکومت کرنے والا ایک ہے۔

(2)! یہ یقین کرو کہ اس زندگی کے ختم ہونے کے بعد ایک دوسری زندگی ہے جس میں اس زندگی کا حساب و کتاب دینا ہے۔

(3)! یہ یقین کرو کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا (پیغمبر) ہوں' اس نے اس زندگی کے متعلق احکام دیکر مجھے بھیجا ہے' جن احکام پر مجھے بھی چلنا ہے اور تمہیں بھی آپ نے جب ان چیزوں کا اعلان فرمایا تو سوسائٹی میں ایک ہلچل مچ گئی' مخالفتیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اس لئے کہ یہ نعرہ ان کی زندگی میں خلل ڈالنے والا تھا' سارا زمانہ جس رخ پر بہہ رہا تھا اس کو چھوڑ کر دوسرا رخ اختیار کرنا' آخر کوئی آسان کام تو تھا نہیں' زندگی کی کشتی بہاؤ پر بلا دقت کے چلی جا رہی تھی' انہیں کیا پڑی تھی کہ بہاؤ کے خلاف اپنی کشتی چلا کر دقتیں اور خطرات مول لیں' اس لئے انہوں نے چاہا کہ یہ آواز دب جائے' کچھ لوگوں نے آپ کی نیت ہی پر شبہ کیا' ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ دیکھنے میں ایک انہیں جیسا انسان اتنا صاحب عزم بھی ہو سکتا ہے کہ زندگی کے اس طوفانی دھارے کا رخ موڑنے کی ٹھانے

جس میں صرف ہم ہی نہیں دنیا کی ساری قومیں ان کے علماء اور حکماء ان کے احبار و رہبان' ان کے ائمہ تہذیب و سیاست' ان کے عقائد و اخلاق ان کے علوم و فلسفے اور ادب و سیاست خس و خاشاک کی طرح بہے چلے جا رہے ہیں۔ وہ اس دعوے میں کسی شخص کو مخلص ماننے سے قطعاً عاجز تھے' اس لئے انہوں نے سمجھا کہ اس دال میں کچھ کالا ضرور ہے' ہو نہ ہو اس بلند بانگ دعوے کے پیچھے کچھ اور مقصد اور کوئی اور خواہش کام کر رہی ہے' اس لئے انہوں نے ایک وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا' جس نے اپنے خیال کے مطابق تین بڑی چیزیں آپ کے سامنے پیش کیں' اس نے کہا کہ اگر آپ کا مقصد اس قسم کی باتوں سے یہ ہو کہ ہم آپ کو اپنا سردار تسلیم کر لیں تو چھوڑیئے ان باتوں کو ہمیں یہ منظور ہے' یا اگر آپ کسی حسین عورت کے خواہش مند ہوں تو ہمیں یہ بھی منظور ہے' ہم ملک کی سب سے حسین عورت آپ کو پیش کریں گے' آپ نے جو یہ نئی بات اٹھائی شروع کی ہے تو اس سے دستبردار ہو جائیے' مگر اللہ کے اس سچے رسول ﷺ اور خدا پرستی کے سب سے بڑے علمبردار نے نہایت بے نیازی سے جواب دیا کہ میں تم سے کچھ لینا نہیں چاہتا' تمہیں کچھ دینا چاہتا ہوں کہ تمہیں موت کے بعد والی زندگی میں راحت ملے اور وہ میری ان تین باتوں پر موقوف ہے۔ آپ کی زبان ہی نہیں بلکہ آپ کی پوری زندگی نے ان لوگوں کے اس خیال کی تردید کی کہ آپ دنیا کی کسی چیز کے خواہش مند ہیں' مخالفت نے اتنی شدت اختیار کی کہ آپ کو مکہ چھوڑ کر مدینہ جانا پڑا مگر خدا پرستی کی دعوت کو نہیں چھوڑا۔

بے نفسی اور خدا پرستی کی عجیب مثال

مخالفین کو اندازہ نہیں تھا کہ آپ نفس پرستی سے کتنی دور تھے اور اس دھارے کے مخالف سمت تیرنے کی آپ میں کتنی طاقت تھی اور کتنا عزم تھا' آپ نفس پرستی سے اتنی دور تھے کہ جب مکہ کے چھوڑنے کے کچھ سال بعد آپ پھر مکہ میں آئے اور فاتحانہ حیثیت سے آئے' اپنے مخالفوں کو مغلوب کر کے آئے تب بھی آپ کی خدا پرستانہ شان میں ذرا تغیر نہ ہوا' فتح کا نشہ آپ پر ذرا بھی نہیں چڑھا' مکہ میں آپ کا فاتحانہ داخلہ اس شان سے ہوا کہ اونٹ پر سوار تھے' بدن پر غریبانہ لباس تھا' اور زبان پہ خدا کا شکر اور اپنی عاجزی کا اظہار تھا۔ اس موقع پر ایک آدمی آپ کے سامنے آیا اور

رعب سے کانپنے لگا' آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں' میں قریش کی اس غریب عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی' سوچئے کیا کوئی فاتح ایسے وقت میں ایسی بات کہہ سکتا ہے' جس سے اس کا رعب لوگوں پر سے اٹھ جائے' ایسے وقت میں تو کوشش کی جاتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ رعب ڈالا جائے۔

---- آپ آج بھی دیکھتے ہیں اور آج سے پہلے کا حال تاریخ میں بھی پڑھ سکتے ہیں کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت و اقتدار آجاتا ہے' ان کی آل اولاد اس سے کتنا نفع اٹھاتے ہیں اور اس کے بل پر کیسے کیسے عیش و آرام کے مزے لوٹتے ہیں' مگر خدا پرستی کے اس سب سے بڑے علمبردار کا حال اس معاملہ میں بھی دنیا سے مختلف تھا' آپ کی صاحبزادی اپنے گھر کا سارا کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں جس کی وجہ سے آپ کے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے اور جسم پر مشکیزہ اٹھانے کے نشانات ہو گئے تھے' ایک دن انہوں نے سنا کہ میدان جنگ سے کچھ غلام اور کنیزیں ابا جان کی خدمت میں لائی گئی ہیں' خیال کیا کہ میں بھی اپنے لئے ایک آدھ غلام یا کنیز مانگ لاؤں' تشریف لے گئیں' اپنی پریشانی کا حال بیان کیا' ہاتھوں کے گٹے دکھائے حضور ﷺ نے فرمایا۔ "میں تمہیں غلام اور باندی سے اچھی چیز دیتا ہوں' غلام اور باندی اور مسلمانوں کے حصے میں جانے دو' تم سوتے وقت تینتیس ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ تینتیس ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو" بے نفسی اور خدا پرستی کی عجیب مثال ہے' بیشک آپ خدا پرستوں کے سردار تھے' کیا کوئی پھر بھی آپ کی بے نفسی پر حرف لا سکتا ہے' دوسروں کے حق میں یہ فیاضی اور اپنے اور اپنی اولاد کے لئے فقر و غربت کو ترجیح دینا پیغمبر ہی کی شان ہے۔

عدیل همت ساقی ست فطرت عرفی
کہ حاتم دگراں وگدائے خویشتن است

(جاری ہے)

قرآن اور جدید علم و تمدن

(مولانا محمد شہاب الدین ندوی)

بعض دینی حلقوں میں علم جدید اور تمدن جدید کے نام پر لوگ کچھ چیں بہ جبیں ہوتے ہیں کہ ان چیزوں کا اسلام سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ اور انہیں قرآن کی تفسیر میں داخل کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اور جو لوگ ان چیزوں کی اسلام سے مطابقت ثابت کرتے ہیں انہیں اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا بلکہ انہیں ایک قسم کا بدعتی سمجھا جاتا ہے۔ تو آیئے دیکھیں کہ قرآن مجید اس سلسلے میں کیا کہتا ہے اور وہ علم جدید اور تمدن جدید کے بارے میں کیا فتویٰ صادر کرتا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں زمین و آسمانوں کی تخلیق اور زبانوں و رنگتوں کا علم رکھنے والوں کو "عالم" کہا گیا ہے۔

ومن ایتہ خلق السموت والارض واختلاف السنتکم والوانکم ان فی ذلک لایت للعلمین

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا مختلف ہونا۔ یقیناً اس میں علم والوں کے لئے نشانیاں موجود ہیں۔ (روم ۲۲)

اب ظاہر ہے کہ ارض و سماوات کی تخلیق اور انسانی زبانوں اور رنگتوں کے اختلافات کے سلسلے میں قیامت تک جو جو نئے حقائق و اکتشافات منظر عام پر آئیں گے وہ سب "علم" ہی کے دائرے میں ہوں گے اور ایسے لوگ بنص قرآنی "علم والے" کہلائیں گے اور یہ وہ لوگ ہیں جو اس آیت کریمہ کی رو سے "اللہ کی نشانیوں" کا علم رکھنے والے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی معمولی علم نہیں ہے۔ بلکہ اسی علم کے ذریعہ منکرین حق پر اتمام حجت ہو سکتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ ساری معلومات "علم جدید" ہی کے دائرے میں آئیں گی۔ لہٰذا علم جدید کی تحقیر کیا معنی رکھتی ہے؟

اسی طرح ایک دوسرے موقع پر بارش کے پانی، قسم باقسم کے پھل اور ان کی رنگارنگیاں، پہاڑوں کا اختلاف اور ان کے الوان، انسانوں اور جانوروں کی بوقلمونی اور ان کی رنگ برنگیاں وغیرہ مظاہر اور ان کی حکمتوں میں غور کرنے والوں کو "علما" کے معزز لقب سے سرفراز کیا گیا ہے۔

الم تران اللہ انزل من السماء ماء فاخرجنا بہ ثمرات مختلفا الوانہا ومن الجبال جدد بیض وحمر مختلف الوانہا وغرابیب سود ومن الناس والدواب والانعام مختلف الوانہ کذلک ۔ انما یخشی اللہ من عبادہ العلموا ۔ ان اللہ عزیز غفور (فاطر 27-28)

"کیا تو نے مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ نے بلندی سے پانی اتارا' پھر ہم نے اس کے ذریعہ طرح طرح کے اور رنگ برنگے پھل نکالے۔ اور پہاڑ بھی مختلف رنگتوں کے سفید' سرخ اور بہت سیاہ (ہر طرح کے) ہیں۔ اور اسی طرح انسانوں' جانوروں اور چوپاؤں کے رنگ بھی قسم ہا قسم کے ہیں۔ یقیناً اللہ سے اس کے بندوں میں علم والے ہی ڈرتے ہیں۔ یقیناً اللہ غالب اور بخشنے والا ہے" (فاطر 27-28)

اس اعتبار سے غور و فکر کے باعث ہر دور میں دنیائے حیوانات' دنیائے نباتات اور دنیائے جمادات اور ان کے نظاموں سے متعلق نئے نئے حقائق و معارف منظرعام پر آتے رہیں گے اور یہی وہ "نئی معلومات" ہیں جن کو "علم جدید" کہا جا سکتا ہے اور ان نئی معلومات کی بناء پر جو چیزیں عملی استفادہ کی شکل میں سامنے آئیں گی وہ "تمدن جدید" کہلائیں گی۔ مثلاً علم جدید نے یہ انکشاف کیا کہ دو چیزوں کو باہم رگڑنے سے ایک قسم کی حرارت پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس حرارت کو مقید کر کے علمی استفادہ کی ترکیبیں سوچی گئیں۔ اس طرح برق اور بھاپ سے استفادہ ممکن ہوا' جن سے برقی قمقے روشن کئے گئے اور مشینیں چلائی گئیں۔ نئی نئی معلومات کے تحت یہی عملی استفادہ "تمدن جدید" کہلاتا ہے۔ اور اس اعتبار سے ہر نیا علم یا ہر نیا انکشاف ایک نئے تمدن کو جنم دیتا ہے۔ پھر جیسے جیسے تحقیقات و تجربات کا دائرہ بڑھتا جائے' مختلف آلات و اوزار اور نئے نئے کل پرزوں کا سلسلہ بھی چل پڑے گا۔

اس طرح نئی نئی صنعتیں Industries بھی جنم لیتی جائیں گی اور تمدن بھی آہستہ آہستہ ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف رواں دواں نظر آئے گا۔ اس لحاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ تمدن جدید اصل میں علم جدید کی پیداوار ہے۔

اس اصول کو ذہن نشین کر لینے کے بعد اب چند قرآنی آیات میں مزید غور فرمائیے تو یہ حقیقت

پوری طرح بے نقاب ہو جائے گی کہ جس طرح علم جدید کا داعی اول قرآن مجید ہے' اسی طرح وہی تمدن جدید کا بھی داعی و محرک ہے۔ چنانچہ اس نے جہاں ایک طرف مظاہر کائنات اور اس کی مشنری میں غور و فکر کر کے وجود باری تعالیٰ اور اس کی بے مثال قدرت و ربوبیت کے دلائل اخذ کرنے پر زور دیا ہے تو دوسری طرف مختلف علوم و مسائل میں ڈوب کر مختلف صنعتوں کو وجود میں لانے کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے۔ جیسا کہ وہ صراحت کے ساتھ کہتا ہے:

هوالذی سخر البحر لتاكلوا منه لحما طريا وتستخرجوا منه حلیته تلبسونها

"وہی ہے جس نے سمندر کو تمہارے لئے مسخر کر دیا' تا کہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور زیور (موتیوں کی شکل میں) نکالو جس کو تم پہنتے ہو" (نحل ۱۴)

سمندر کو مسخر کرنے کا مطلب اس میں ودیعت شدہ فوائد سے استفادہ کے لئے اسے پوری طرح رام کر دینا ہے۔ اور یہ مقصد ظاہر ہے کہ بغیر کشتی سازی اور سمندر میں سفر کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ پھر سمندر سے تازہ گوشت یعنی مچھلیاں حاصل کرنا بھی اس پر موقوف ہے کہ کشتیوں کے ساتھ ساتھ مچھلیاں پکڑنے کے لئے جال اور دیگر اوزار بھی بنائے جائیں۔ اسی طرح سمندر سے موتی نکالنے کے لئے غوطہ خوری کی تربیت اور اس کے آلات و اوزار کی تیاری ضروری ہے۔ اس طرح محض ان دو فوائد کے حصول کے لئے کئی صنعتوں کا آغاز ہوتا ہے اور بہت سی فنی معلومات Technical Know-How اور تجربات کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہی فنی معلومات فنی علوم یعنی صنعتی علوم کی بھی بنیاد ہیں۔

حسب ذیل عظیم الشان آیت کریمہ میں غور فرمایئے تو آپ کو اس قسم کے بے شمار جدید علوم اور جدید صنعتوں کی طرف رہنمائی ملے گی۔

ان فی خلق السموت والارض واختلاف الیل والنهار والفلک والنهار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل الله من السماء من ماء فاحیابه الارض بعد موتها وبث فيها من كل دابته وتصريف الريح والسحاب المسخر بين السماء والارض لايت لقوم يعقلون

زمین اور آسمانوں کی تخلیق میں' دن رات کے ہیر پھیر میں' اور ان کشتیوں (اور جہازوں) میں جو سمندر میں لوگوں کے نفع بخش سامان کو لے کر چلتے ہیں اور اس پانی میں جس کو اللہ نے بلندی سے اتارا اور اس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندگی بخشی۔ پھر اس میں ہر قسم کے جاندار پھیلا دیئے اور ہواؤں کے ادل بدل میں اور بادل میں جو زمین اور آسمان کے درمیان مسخر رہتا ہے (غرض ان تمام مظاہر میں) عقل مندوں کے لئے یقیناً" (بہت سی) نشانیاں موجود ہیں۔ (بقرہ۔ ۱۶۴)

ان آیات کریمہ کا اولین مقصد بطور "عبارۃ النص" وجود باری اور اس کی صفات عالیہ کا اثبات' نیز ثبوت قیامت کے سلسلے میں سائنٹفک دلائل پیش کرنا اور شرک و مادیت اور دیگر فکری لغزشوں کی تردید ہے۔ اس کو ہم علم نظری کہہ سکتے ہیں۔ مگر یہاں پر ضمناً" اس علم کے عملی فوائد کا حصول بھی مقصود ہے اور جیسا کہ شیخ طنطاوی جوہری نے لکھا ہے اس موقع پر بہت سے تمدنی فوائد کا اثبات ہو رہا ہے۔

اس موقع پر "عقل سے کام لینے والوں" کی سند ان لوگوں کو عطا کی گئی ہے جو زمین اور اجرام سماوی کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں' رات اور دن کے ہیر پھیر اور اس کے اسرار معلوم کرتے ہیں' سمندری کشتیوں' جہازوں اور سامان تجارت کے فوائد پر نظر ڈالتے ہیں۔ بارش کے عجائب' نباتات کے مظاہر' چوپاؤں کی خلقت اور ان کے اسرار و عجائب معلوم کرتے ہیں۔ ہواؤں کے ضوابط کا علم حاصل کرتے ہیں اور یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ آسمان میں بادل کس طرح جمع ہوتا ہے اور بارش کیسے ہوتی ہے؟ اس میں سورج کی کار فرمائی کیا ہے؟ اور وہ بارش پر کیا کیا اثرات ڈالتی ہے؟ غرض ان تمام چیزوں کی حقیقت و ماہیت اور ان کے اسرار و فوائد کے جاننے اور ان میں غور و فکر کرنے والوں کو اس موقع پر "صاحب عقل" قرار دیا گیا ہے۔

اور اس آیت سے بطور اشارہ و اقتضاء ثابت ہوتا ہے کہ فلکیات' بارش' ہوا' بادل' ندی نہریں' معدنیات اور دیگر تمام طبیعی و صنعتی علوم کی تحصیل ضروری ہے۔ غور فرمائیے تو پتہ چلے گا کہ یہاں پر جن کشتیوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ لوہے' کوئلے اور بجلی کی محتاج ہیں۔ اسی طرح جہازوں کے لئے سامان کی ضرورت ہوتی ہے' جن کو وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچائیں۔ غرض اس آیت

کریمہ میں تمام علوم کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ (ماخوذ۔ القرآن والعلوم العصریہ)

اس آیت کریمہ میں ان کے علاوہ بھی دیگر بہت سے علوم و فنون کا اثبات ہو سکتا ہے۔ مثلاً" اجرام سماوی کے مشاہدوں کے لئے رصد گاہوں Observatories اور ان کے سازو سامان کی تیاری، جن میں دوربینیں وغیرہ بھی شامل ہیں۔ جہاز سازی کے کارخانے اور ان کے سازو سامان کی تیاری، نیز ان صنعتوں میں استعمال ہونے والے خام مال کی فراہمی، کان کنی کا علم اور اس سے متعلق صنعتیں، جن کے ذریعہ لوہا، کوئلہ اور پیٹرول وغیرہ کی فراہمی عمل میں آتی ہے، جہاز رانی کا علم اور اس کی تربیت، برق و بھاپ کا علم اور ان کی صنعتیں جن کے ذریعہ موجودہ جہاز چلتے ہیں، (بلکہ اب تو ایٹمی توانائی سے چلنے والے جہاز بھی تیار ہو گئے ہیں) اسی طرح عالم حیوانات و نباتات اور دیگر مظاہر فطرت کے تفصیلی مطالعے کے لئے سازو سامان اور قسم ہا قسم کے آلات و اوزار کی ضرورت پڑتی ہے۔

اس طرح یہ عظیم الشان آیت بے شمار صنعتی اور تکنیکی علوم و فنون کے علاوہ حسب ذیل خالص سائنسی علوم کی بھی بنیاد نظر آتی ہے۔

علم تخلیق کائنات، فلکیات، فلکی طبیعات، موسمیات، ارضیات، ارضی طبیعات، علم جغرافیہ، علم معدنیات، طبیعات، کیمیا اور حیاتیات

واقعہ یہ ہے کہ اس آیت کریمہ کی صحیح عظمت بیان کرنا اور اس کے تمام علوم و معارف کا احاطہ کرنا انسانی طاقت سے باہر دکھائی دیتا ہے۔ مگر جتنے بھی علوم و مسائل اور اسباق و بصائر کا استنباط کیا جائے وہ سب "علم اسماء" ہی کے دائرہ میں ہوں گے۔ یعنی وہ علم جو حضرت آدم علیہ السلام کو دیا گیا تھا، جیسا کہ قرآن کی تصریح ہے کہ اللہ نے آدم کو تمام چیزوں کے نام (اور ان کے آثار و فوائد) بتا دئے تھے۔

راقم سطور نے اپنے مضامین میں جگہ جگہ اس کی صراحت کی ہے کہ قرآن مجید نظری اور عملی دونوں قسم کی سائنسوں کا داعی و مبلغ ہے۔ چنانچہ اوپر جو آیت کریمہ پیش کی گئی ہے وہ ہر قسم کی نظری سائنسوں کی بنیاد ہے اور حسب ذیل آیات میں عملی (پریکٹیکل) سائنسوں کی طرف رہنمائی کی گئی

ہے۔

الله الذی خلق السموت والارض وانزل من السماء ماء فاخرج به من الثمرات رزقا لکم و سخرلکم الفلک لتجری فی البحر بامره و سخرلکم الانهر و سخرلکم الشمس والقمر دائبین۔ و سخرلکم الیل والنهار۔ واتکم من کل ما سالتموه وان تعدوا نعمت الله لا تحصوها۔ ان الانسان لظلوم کفار۔

"اللہ وہ ہے جس نے زمین اور اجرام سماوی کو پیدا کیا اور بلندی سے پانی برسایا۔ پھر اس پانی سے تمہاری روزی کی خاطر (طرح طرح کے) میوے نکالے اور کشتیوں کو تمہارے قابو میں کیا تا کہ وہ سمندر میں اس کے حکم سے چلتی رہیں (تاکہ تم جہاں چاہو باسانی سفر کر سکو)۔ اور دریاؤں کو تمہارے لئے رام کر دیا (کہ حسب منشاء ان پر بند باندھ کر ان کا رخ موڑ سکو) اور تمہارے لئے آفتاب و ماہتاب کو مسخر کیا۔ (کہ ان کی توانائیوں سے تم خاطر خواہ طور پر مستفید ہو سکو) اور تمہارے لئے دن اور رات کو کام میں لگایا (تاکہ تمہارے کام کرنے اور راحت پانے کے اوقات متعین ہو سکیں) اور اس نے (اس طرح) تمہارے (تمام فطری) مطالبات پورے کر دئے۔ (للہذا) تم اگر اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا بھی چاہو تو نہ کر سکو گے۔ انسان بڑا ہی ستم گار اور ناشکرا ہے (جو ان تمام نعمتوں سے مستفید ہونے کے باوجود خدا کا انکار کر بیٹھتا ہے" (ابراہیم ۳۲۔ ۳۴)

ان آیات میں بنیادی اور اصولی طور پر تین قسم کی نعمتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ (ا) بری (۲) بحری اور (۳) سماواتی ان تینوں کی مختصر تشریح اس طرح ہے۔

1۔ بری نعمتوں خصوصیت کے ساتھ زمین کی پیداوار کے لئے نہروں اور دریاؤں کے ذریعہ آب پاشی کا طریقہ سمجھایا گیا ہے۔ اس طریقے کو اپنا کر نیز اپنی عقل و تجربے کو کام میں لا کر اور نئے نئے آلات و وسائل کے ذریعہ انسان زرعی پیداوار میں ترقی کر سکتا اور زمین کی نعمتوں سے متمتع و بہرہ اندوز ہو سکتا ہے۔ مگر اس کے لئے علم جغرافیہ، علم زراعت اور آب رسانی کے طریقوں سے واقفیت ضروری ہے۔

2۔ بحری فوائد اور نعمتیں۔ یہ زرعی پیداوار اور دیگر صنعتی اشیاء اور سامان تمدن کو دنیا کے

ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچا کر حاصل کرنے کا بھی ایک ذریعہ ہے اور اس راہ میں سمندری سفر' سمندری راستوں اور سمندری تجارت کے اصولوں سے واقفیت ضروری ہے' جو کسی قوم یا ملک کی ترقی و خوشحالی اور اس کی سربلندی کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے بغیر آج کوئی قوم نہ ترقی یافتہ کہلا سکتی ہے اور نہ زندگی کی حقیقی لذتوں سے آشنا ہو سکتی ہے۔ آج تمدن کی ترقی کا سارا دارومدار سمندری تجارت اور جہازوں کی نقل و حرکت پر موقوف ہے اور کسی قوم کے ترقی یافتہ ہونے کی دلیل یہ سمجھی جاتی ہے کہ دنیا کے سمندروں اور پانیوں پر اس قوم کا کتنا قبضہ ہو چکا ہے۔ محض تجارتی نقطہ نظر ہی سے نہیں بلکہ آج کل تو سمندروں میں جنگی اور عسکری جہاز۔ برق و بھاپ اور ایٹمی طاقت سے چلنے والے۔۔ نہایت درجہ ہیبت ناک انداز میں دندناتے اور غیر ترقی یافتہ قوموں اور ملکوں پر اپنے غلبے اور استیلاء کی دھاک بٹھاتے پھر رہے ہیں۔

اس لحاظ سے ظاہر ہے کہ سمندری تسخیر کے لئے جہاز سازی اور دیگر متعلقہ سائنسی و صنعتی علوم و فنون میں کمال حاصل کرنا ضروری ہے۔ اور یہ چیز آج "سمندری نعمتوں" کے حصول سے زیادہ خود اپنی حفاظت و مدافعت کے لئے بھی ضروری ہے۔ ورنہ کوئی قوم ان بیرونی خطرات کا مقابلہ نہیں کر سکے گی جو سمندر کی راہ سے آنے والی ہوں۔

3۔ سماواتی فوائد اور نعمتیں! زمین کی پیداوار میں سماواتی اثرات کا اگرچہ براہ راست اور بالواسطہ تعلق ضرور پایا جاتا ہے' مثلاً" بارش اور نباتات کے نشوونما میں سورج کے اثرات کی کارفرمائی وغیرہ۔ مگر اس موقع پر براہ راست فائدہ اٹھانے کی ایک مثال شمسی توانائی Energy Solar کا استعمال ہے۔ جو سائنس کی ترقی کی بدولت موجودہ دور ہی میں ممکن ہو سکا ہے۔ اسی طرح زمانہ مستقبل میں ان سماواتی کروں سے جتنے بھی فوائد حاصل کئے جائیں' وہ سب اسی کلیہ میں داخل سمجھے جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ ان تمام امور کے لئے جدید علوم سے واقفیت اور ان میں دسترس ضروری ہے۔

اس بحث سے بخوبی واضح ہو گیا کہ اسلام ہی دنیا کا واحد مذہب ہے جو علوم جدید اور تمدن جدید کی داغ بیل ڈالنے والا اور نوع انسانی کو صحیح نظریہ علم اور صحیح نظریہ کائنات عطا کرنے والا ہے۔

جس طرح کہ یہ حقیقت بھی پوری طرح عیاں ہو گئی کہ قرآن عظیم ہی دنیا کا وہ پہلا اور آخری صحیفہ ہے جس نے سب سے پہلے نظری Theoretical اور عملی Practical دونوں سائنسوں کی طرف توجہ دلا کر نوع انسانی کو مظاہر فطرت کی تسخیر پر آمادہ کیا۔ اس کی اس انوکھی اور حیرت انگیز دعوت ہی کے باعث قرون وسطیٰ میں علوم وفنون کی ترقی ہوئی، جس کے نتیجے میں یورپ کی نشاۃ ثانیہ بھی عمل میں آئی اور آج یہ ترقی اپنی انتہائی منزلیں طے کر رہی ہے۔

مذکورہ بالا مباحث سے یہ حقیقت پوری طرح روشن ہو گئی کہ تمدن جدید دراصل علوم جدیدہ ہی کے اثرات و ثمرات کا نام اور ان کی ترقیوں کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے اور اس اعتبار سے "تمدن" ہر دور میں بدلتا اور تغیرات سے دو چار ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا تمدن۔ چاہے وہ قدیم ہو یا جدید۔ بذات خود کوئی بری چیز نہیں ہے۔ بلکہ اصل میں اس کے غیر صالح اور خدا سے باغیانہ رجحانات برے اور مضر ہوتے ہیں۔ مگر اس سے اتنی بات تو صاف ہو جانی چاہئے کہ اسلام علوم جدیدہ یا تمدن جدید کو مطلق طور پر بری نظر سے نہیں دیکھتا۔ کیونکہ یہ سب کچھ اسی کے بالواسطہ یا بلاواسطہ پیدا کئے ہوئے آثار و مظاہر ہیں۔ لہٰذا علم جدید اور تمدن جدید کے نام سے ہمیں گھبرانے اور خوف کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اصولی اعتبار سے یہ دونوں اپنے ہی گھر کی چیزیں ہیں۔ نیز اس بحث سے اس غلط نظریہ کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے کہ اسلام انسان کو تمدنی ترقیوں سے روکتا اور ان پر پابندیاں عائد کرتا ہے۔ بلکہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمدنی ترقیوں کو مذہب کے خلاف نہیں سمجھتا۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام نہ صرف جدید علم و تمدن کی سرپرستی کرتا ہے بلکہ انہیں پروان چڑھانے کے لئے نوع انسانی کو اس پر ابھارتا ہے۔ کیونکہ علم جدید کی ترقی سے نہ صرف دین و شریعت کے بازو مضبوط ہوتے ہیں بلکہ اس کی وجہ سے انسان کی آسائشوں میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور قرآن کی نظر میں یہ دونوں ہی مقاصد اس کے اول دن ہی سے مطلوب و مقصود رہے ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں اس موضوع پر سینکڑوں آیات مذکور ہیں۔

یوسف اسلام (انگلستان)

مجھے ایک تربیتی کورس کے سلسلے میں اپریل تا جولائی لندن میں قیام کا موقع ملا۔ ایک روز اسلامی کتابوں کی ایک دکان پر جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ایک چھوٹی سی کتاب MY RELIGION ISLAM (اسلام میرا دین) پر نظر پڑی۔ مصنف کا نام کیٹ سٹیونز (CAT STEVENS) لکھا تھا اور اندر کے صفحے پر وضاحت کی گئی تھی کہ یہ صاحب برطانیہ کے مشہور موسیقار اور پاپ سنگر رہے ہیں، اب مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں اور یوسف اسلام کے نام سے موسوم ہیں۔ میں نے یہ کتاب خرید لی اور اسے شوق سے پڑھا۔ دراصل یوسف اسلام کا ایک انٹرویو تھا جو مارچ 1980 میں لیا گیا تھا۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

سوال! میں پہلا سوال یہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کو اسلام کے بارے میں معلومات کس ذریعے سے حاصل ہوئیں؟

جواب! اسلام کے بارے میں مجھے سب سے پہلے اپنے بھائی ڈیوڈ کے ذریعے معلومات حاصل ہوئیں۔ پانچ سال پہلے انہوں نے یروشلم کا سفر اختیار کیا تھا۔ انہوں نے جن مقدس مقامات کی زیارت کی، ان میں ایک مسجد اقصیٰ بھی تھی۔ اس سے قبل وہ کبھی کسی مسجد کے اندر داخل نہیں ہوئے تھے۔ یہاں کی فضاء مسیحی گرجوں اور یہودیوں کی معبدوں سے اس قدر مختلف تھی کہ انہوں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ یہ دین (اسلام) عیسائیت کی طرح پراسرار کیوں نہیں ہے؟ وہ مسلمانوں کے رویے اور سکون بخش انداز عبادت سے بہت متاثر ہوئے۔ انگلستان واپس پہنچتے ہی انہوں نے قرآن حکیم کا ایک نسخہ خریدا اور لا کر مجھے دیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ میں رہنمائی کا محتاج تھا۔ الحمدللہ۔

سوال..... جب آپ نے قرآن کا مطالعہ کیا تو آپ کو کس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا؟

جواب..... یہ اس پیغام کی دائمی نوعیت تھی۔ میں حیران تھا کہ الفاظ سب کے سب آشنا قسم کے تھے لیکن ہر اس چیز سے بے حد مختلف تھے جس کا میں پہلے مطالعہ کر چکا تھا۔ اس مرحلے تک زندگی کا مقصد میرے لئے ایک سربستہ راز کی حیثیت رکھتا تھا۔ ہمیشہ مجھے اس بات پر یقین رہا کہ

زندگی کی اس تصویر کشی کے پس پردہ ایک زبردست تخلیق کار کا ہاتھ ہے۔ لیکن وہ ان دیکھا تخلیق کار کون ہے، اس کا پتہ نہ چلتا تھا۔ میں اس سے پیشتر بہت سے روحانی راستوں کی جاہ پیمائی کر چکا تھا، لیکن تسکین کی پیاس کہیں نہیں بجھی۔ میں ایک ایسی ناؤ کی مانند تھا جو پتوار اور کھیون ہار کے بغیر چلی جا رہی تھی اور جس کی کوئی منزل مقصود نہ تھی۔ لیکن جب میں نے قرآن کا مطالعہ شروع کیا تو مجھے احساس ہوا کہ میں اس کے لئے اور یہ میرے لئے تخلیق کیا گیا ہے۔ میں ڈیڑھ سال سے زیادہ عرصہ تک اس کا بار بار مطالعہ کرتا رہا۔ اس دوران میری ملاقات کسی بھی مسلمان سے نہ ہوئی۔

میں قرآن کے پیغام میں پوری طرح مستغرق ہو چکا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اب جلد ہی یا تو مجھے پوری طرح ایمان لے آنا ہو گا یا پھر اپنی ہی راہ پر چلتے چلتے موسیقی کی دنیا میں کھوئے رہنا ہو گا۔ یہ میری زندگی کا سب سے مشکل اقدام تھا۔ ایک روز مجھے کسی نے بتایا کہ لندن میں ایک نئی مسجد تعمیر ہوئی ہے۔ پس اب میرے لئے اپنا دین قبول کرنے کا وقت آ پہنچا تھا۔ 1977ء کے موسم سرما کی بات ہے کہ ایک جمعہ کے روز میں مسجد کی طرف چل کھڑا ہوا۔ نماز جمعہ کے بعد میں امام صاحب کے پاس پہنچا اور انہیں بتایا کہ میں قبول اسلام کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ مسلم برادری سے یہ میرا پہلا رابطہ تھا۔

سوال۔ اب آپ مسلمان ہیں۔ مسلمانوں کے بارے میں آپ کے کیا تاثرات ہیں؟

جواب۔ میرا خیال ہے کہ بہت سارے مسلمان اپنا راستہ کھو بیٹھے ہیں، کیونکہ انہوں نے صحیح طور پر قرآن کا مطالعہ نہیں کیا۔ یہ تو علم کا جوہر ہے اور جو لوگ اسے سمجھنا چاہتے ہیں ان کے لئے سچی ہدایت کا حامل ہے۔ میرا ایمان ہے کہ اسلام اصل میں صرف ایک ہی ہے۔ یعنی اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فرماں برداری، میرے نزدیک جنت کا یہی واحد محفوظ راستہ ہے۔ ہمیں سچ اور جھوٹ میں امتیاز کرنا چاہیئے۔ اس کے لئے ہمیں اپنے علم میں اضافہ کرنا چاہئے اور راہ حق پر چلنے والوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علم کے خزانے کی بے شمار کنجیاں دنیا میں بکھیر کر اسے محفوظ فرما دیا ہے۔ ہم مسلمانوں کو صرف آپس میں قریب آنے کی ضرورت ہے تاکہ صحیح معنوں میں اسلام کی حقانیت کی زیادہ جامع تفہیم حاصل ہو سکے۔ تمام مسلمان ایک خدا، ایک قرآن اور ایک رسول محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس کے بعد ہر فرد اپنی پسند کے مطابق اپنی راہ متعین کرتا ہے۔ آخرت میں ہر کوئی اپنے ہی اعمال کا ذمہ دار ٹھہرے گا۔

سوال۔ آپ کے لئے یہ کس قدر دشوار ثابت ہوا کہ اچانک وہ بہت ساری باتیں ترک کر دیں، جن کے آپ پہلے عادی رہ چکے تھے؟

جواب۔ یہ دشوار نہیں تھا کیونکہ میں بخوبی جانتا تھا کہ ان برائیوں کو ترک کر دینا ہی بہتر ہے۔ یہ برائیاں دراصل مجھے تباہ کر رہی تھیں۔ مثلاً" شراب نوشی، سگریٹ نوشی اور سود خوری وغیرہ۔ لیکن اپنے پرانے دوستوں سے قطع تعلق کرنا میرے لئے سب سے زیادہ دشوار ثابت ہوا۔ میں یہ بات نہیں سمجھ سکا کہ وہ لوگ پیغام اسلام کا فہم کیوں پیدا نہیں کر سکے۔ جہاں تک مجھ سے ممکن ہو سکا، میں ان سے دوستی نبھاتا چلا گیا لیکن ایک ایسا وقت بھی آیا جب اپنے دین کی خاطر میں نے فیصلہ کر لیا کہ اپنے ماضی اور اسلام کے درمیان مجھے ایک خط کھینچنا ہو گا۔ اس کے لئے مجھے کئی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ مثال کے طور پر جب میں غیر مسلموں کے درمیان ہوتا تو ان سے معذرت طلب کر کے چپکے سے نماز کے لئے نکل جاتا۔ میں یہ نہ بتاتا کہ میں کہاں جا رہا ہوں، کیونکہ یہ ان کے لئے قدرے عجیب سی بات ہوتی۔ پھر ایک روز میں نے تہیہ کر لیا کہ اب میں سب کو بتا دوں گا کہ میں نماز کی ادائیگی کے لئے جا رہا ہوں۔ چنانچہ سب نے میرا نقطہ نظر سمجھ لیا اور اس کے لئے وہ میری عزت کرنے لگے۔ جب آپ اپنی بات پر ڈٹ جائیں اور اپنا فرض ادا کرتے چلے جائیں تو اللہ اس میں آسانی فرما دیتا ہے۔ اس کے بعد مجھے کوئی خاص دشواری پیش نہیں آئی۔

سوال۔ آپ اپنے ماضی کی سرگرمیوں کے بارے میں کچھ بتائیں گے؟

جواب۔ میں پندرہ برس کا تھا جب مجھے موسیقی سے بہت دلچسپی پیدا ہو گئی۔ میرے والد میرے لئے ایک چھتارا (گٹار) لے آئے اور میں نے اپنے گیت لکھنے کا آغاز کر دیا۔ میں نے کیٹ سٹیونز کا نام منتخب کیا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں میرا پہلا ریکارڈ بہت مشہور ہوا۔ میں بہت کامیاب ہوا اور میرے گانوں کے ریکارڈ یورپ بھر میں فروخت ہونے لگے۔ لیکن یہ شوبزنس مجھے راس نہ آیا۔ میں نے کثرت سے مے نوشی اور سگریٹ نوشی شروع کر دی، لہٰذا میں دق کا مریض بن گیا۔ اس سے میرا یہ ذریعہ معاش ختم ہو گیا اور مجھے چند ماہ ہسپتال رہنا پڑا۔ اس دوران میں نے مشرقی فلسفے کا مطالعہ شروع کیا میرے پاس ایک کتاب تھی جس کا نام THE SECRETPATH (خفیہ راستہ) تھا۔ یہی کتاب روحانی معاملات سے میرا پہلا تعارف ثابت ہوئی۔ اسی کے ذریعے میں طمانیت و بصیرت کی تلاش کے لمبے سفر پر روانہ ہوا۔ اس سفر نے بالآخر مجھے اسلام کے دروازے پر پہنچا دیا۔ میں نے ایسے گیت لکھنے شروع کئے جن میں اس روحانی بیداری کا اظہار ہوتا تھا۔ چنانچہ میرے یہ

گیت میری سرگزشت بنتے چلے گئے۔

میں اکیس برس کا تھا جب مجھے پہلی عالمی سطح کی بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ میرے ان گیتوں کا سلسلہ THE FOR TILLER MAN کے نام سے مشہور ہوا اور اس طرح میرا شمار اعلیٰ درجے کے فنکاروں میں ہونے لگا۔ میں سوچتا ہوں کہ ایک لحاظ سے میرے گانوں کے سلسلے میری اگلی منزل اور میرے سفر کے مختلف مراحل ثابت ہوئے۔

سوال۔۔۔ اس زمانے میں لوگ سازو سنگیت کے متوالے ہو رہے ہیں حتیٰ کہ مسلمان بھی اس میں کھوئے جا رہے ہیں' اس بارے میں آپ کی کی رائے ہے؟

جواب۔۔۔ بد قسمتی سے لوگ آجکل اپنی ادنیٰ خواہشات کے مطابق چیزوں کی خریداری کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ ریکارڈ' فلمیں' ٹیپ' رسالے۔ ان میں سے اکثر پیسہ کمانے کی غرض سے ہی بنائے جاتے ہیں۔ پاپ موسیقی سننا تو خواب دیکھنے کی طرح ہے۔ اس سے عارضی طور پر چین ملتا ہے' اس قسم کی موسیقی سننے والے عموماً حقیقت سے اتصال کے آرزو مند ہوتے ہیں۔ موسیقی انہیں کچھ وقت کے لئے سکون پہنچاتی ہے۔ یعنی یہ اس بے رحم نظام سے تھوڑی دیر کے لئے فرار ہے' جسے ہم ماڈرن زندگی کہتے ہیں۔

سوال۔ توکیا آپ نے موسیقی سے قطع تعلق کر لیا ہے؟

جواب۔ میں نے موسیقی کے مشاغل ترک کر دیئے ہیں مجھے خطرہ تھا کہ یہ مشاغل مجھے صراط مستقیم سے بھٹکا نہ دیں۔ میرا یہ کہنا شاید بڑا بول نہ سمجھا جائے گا کہ اب کبھی موسیقی کا شغل اختیار نہ کروں گا۔ لیکن اس کے ساتھ انشاء اللہ کہے بغیر بات مکمل نہیں ہو سکتی۔

سوال۔ تو اب آپ کیا پیشہ اختیار کریں گے؟

جواب۔ میں دراصل صرف اللہ کا کام کر رہا ہوں۔ وہی میری دست گیری کر رہا ہے اور اس نے ایسا انتظام فرما دیا ہے کہ میں اپنا کام جاری رکھ سکوں۔ میری خواہش ہے کہ میں برطانیہ میں تبلیغ اسلام کی خدمت بجا لا سکوں۔ اس کے لئے مجھے خواہ کچھ ہی کرنا پڑے اور کسی بھی حیثیت سے خدمت انجام دینی پڑے۔ اسلامی برادری روز بروز مستحکم ہو رہی ہے۔ اس وقت میرا کام عربی زبان کی تحصیل ہے۔ میری بڑی آرزو ہے کہ میں قرآن کو سمجھ سکوں۔ بہت سارے مسلمان عربی پڑھ سکتے ہیں اور ان کے لئے یہ خاص بات نہیں۔ لیکن مجھے ابھی تفہیم قرآن کا مرحلہ طے کرنا ہے۔ قرآن حکیم کی ہر آیت مکمل ہدایت ہے اور بذات خود ایک باب کا درجہ رکھتی ہے۔ مجھے اکثر یہ دیکھ

کر بڑا افسوس ہوتا ہے کہ لوگ قرآن کا مناسب احترام نہیں کرتے اسے معمولی بات سمجھتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور سب زمانوں کے لئے کار آمد ہے۔ یہ ہر سچے دیندار کے لئے ایک مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔

سوال۔ برطانیہ کے غیر مسلموں میں تبلیغ دین کی سرگرمیوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب! اس سلسلے میں ہمیں احتیاط برتنی چاہئے اور عیسائیوں کا طریق کار اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ یہ ہم سب کی ایک بڑی ذمہ داری ہے۔ اسلام کا پیغام صرف زبان سے ہی نہیں پھیلانا چاہئے۔ پہلے تو آپ اس بات کو یقینی بنائیں کہ آپ کے اپنے اعمال درست ہیں' پھر سادہ اور واضح طریقے سے انہی خوشخبری سنائیں کہ قل ہو اللہ احد (کہے کہ وہ اللہ ایک ہے) اس بات کی کوشش نہ کریں کہ اسلام کا پورا پیغام ایک ہی بار منتقل کر دیا جائے۔

جب نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن روانہ کیا تو ان سے فرمایا کہ ان لوگوں کی طرف جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں' لہٰذا انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی جائیدادوں میں سے زکوٰۃ دینے کی تاکید فرمائی ہے۔ یہ زکوٰۃ ان میں سے مالدار لوگ ادا کریں گے اور محتاجوں میں تقسیم کی جائے گی اور اگر وہ اس پر رضامند ہو جائیں تو ان سے زکوٰۃ وصول کر لینا۔ لیکن لوگوں کی بہترین جائیدادوں سے درگزر کرنا۔

ایک مسلمان کو اول تو خوش خلق' مہربان اور متواضع ہونا چاہئے کہ یہ اوصاف خود رسول اکرم ﷺ میں موجود تھے۔ اگر ہم لوگوں کے سامنے بڑی منطقی بحثیں کرتے رہیں تو شاید وہ ہم سے متفق بھی ہو جائیں گے لیکن وہ ہم سے رخصت ہوتے ہی سب باتیں فراموش کر دیں گے کیونکہ انہوں نے ہمیں عملی طور پر کچھ کرتے نہیں دیکھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

رسول اکرم ﷺ قرآن مجسم تھے۔ یہی بنیادی بات ہے۔ قرآن کو صرف پڑھ لینا ہی کافی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام انسان کی تکمیل کے لئے صادر فرمائے گئے اور قرآن انہی احکام کا مجموعہ ہے۔ آپ اسے صرف زبانی تبلیغ و بیان کے لئے استعمال نہیں کر سکتے' بلکہ اس پر عملدرآمد بہت ضروری ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ باتیں کم کریں اور عمل زیادہ۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہی کسی شخص کو قبول اسلام کی توفیق ملتی ہے۔

سوال۔ اس ملک میں ذرائع ابلاغ سے اسلام کے خلاف زبردست پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ بہت سے لوگ اسلام کے بارے میں معلومات حاصل ہی نہیں کر سکتے یا صحیح صورت حال سے واقف نہیں ہو پاتے۔ ہم ان تک اپنی بات کیسے پہنچا سکتے ہیں یا انہیں کم از کم اتنا بتانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ صحیح اسلام ہے کیا؟

جواب۔ میں یہ بات آپ پر واضح کرنا چاہو گا کہ لوگ اپنی مرضی کے آپ مالک ہیں اور اپنی راہ کا آپ تعین کرتے ہیں' وہ سب اس قدر احمق نہیں کہ جو کچھ اخبار میں پڑھیں یا خبروں میں سنیں تو اس پر یقین کر بیٹھیں۔ تاہم جب وہ خود مسلمانوں کے اعمال و افعال میں کچھ خرابیاں دیکھتے ہیں تو پھر اس بات کا احتمال بڑھ جاتا ہے کہ وہ جو کچھ پڑھتے ہیں اس پر اعتبار کر لیں۔ آپ جانتے ہیں کہ دعوت تو ذاتی طور پر بھی دی جانی چاہئے۔ تبلیغ اسلام کا کام بہترین طور پر رفاقت کے ذریعے سرانجام پا سکتا ہے۔ آج کی خبر کل پرانی ہو جاتی ہے۔ لوگوں میں اس طرح اشتعال تو پیدا کیا جا سکتا ہے 'لیکن اس کا دیرپا اثر نہیں ہوتا۔ انہیں حقیقی معنوں میں متاثر کرنے والے در حقیقت وہ لوگ ہوتے ہیں جن سے وہ گھلتے ملتے ہیں' اس لئے اگر آپ ایک مسلمان ہیں اور آپ کے قرابت داروں میں سے کوئی شخص اسلامی ضابطوں کا پابند نہیں ہے تو بلاشبہ آپ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ کسی غیر شخص کے پاس جانے سے پہلے اس قرابت دار کی خبر لیں۔ سب سے پہلے اپنے کنبے کی حفاظت کو یقینی بنانا ضروری ہے۔ صرف مسلمان کہلوانے سے ہم سزا سے نہیں بچ سکتے۔ ہم میں سے بہت سارے تو ابھی اسلام کے اصل پیغام سے ناآشنا ہیں۔

یوسف اسلام کا یہ انٹرویو پڑھ کر میں بہت متاثر ہوا اور ان کے بارے میں مزید جاننے کا شوق پیدا ہوا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ صاحب لندن ہی میں رہتے ہیں اور انہوں نے تبلیغ دین کے لئے اپنا ایک حلقہ قائم کر رکھا ہے۔ تھوڑے ہی دنوں بعد یہ مژدہ جانفزا سننے میں آیا کہ یہ صاحب 28 مئی 1982ء کو سکول آف اورنٹل اینڈ افریقن سٹڈیز کے اسمبلی ہال میں جمعہ کی نماز کے بعد خطاب فرمائیں گے۔

میں اپنے کورس کے سلسلے میں لندن یونیورسٹی کے انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن میں آیا کرتا تھا۔ مذکورہ سکول وہاں سے قریب ہی تھا اور جمعہ کی نماز اکثر وہیں ادا کرتا تھا۔ سکول کے ایک کمرے میں جائے نمازیں اور چادریں بچھادی جاتی تھیں اور یونیورسٹی کے مسلمان اساتذہ اور طلبہ نماز ادا کرتے تھے۔ باقاعدہ خطبہ ہوتا اور نمازیوں کی تعداد تیس پینتیس کے قریب ہوا کرتی تھی۔ جمعے کی نماز کا

وقت ہمارے انسٹی ٹیوٹ میں دوپہر کے کھانے کے وقفے میں پڑتا تھا اور کلاس دوبارہ شروع ہونے تک نماز سے فارغ ہو کر واپس پہنچ جاتا۔

اس اطلاع سے مجھے بہت خوشی ہوئی۔ چنانچہ میں اور میرے ایک ساتھی پروگرام کے مطابق وہاں پہنچ گئے۔ اس روز اسمبلی ہال کے ایک حصے میں اسلامی کتابوں کی نمائش بھی ہو رہی تھی۔ ایک نظر ان کتابوں پر بھی ڈالی لیکن نگاہیں یوسف اسلام کی جستجو میں تھیں۔

نماز سے پہلے ایک صاحب نے خالص عربی لہجے میں اذان دی جو بڑی مسحور کن تھی۔ یہ صاحب لمبا سفید کرتا پہنے تھے۔ سر پر چھوٹی سی پگڑی، خوبصورت داڑھی، متناسب مونچھیں، سرخ و سفید رنگ، نوجوانی کا عالم، چہرے پر اطمینان اور آنکھوں میں کشش۔ بعد میں انکشاف ہوا کہ یہی یوسف اسلام ہیں۔

نماز سے فارغ ہوتے ہی جائے نماز، چادریں وغیرہ سمیٹ دی گئیں۔ ہال کی کرسیاں اور بنچیں ترتیب سے لگا دی گئیں۔ تقریب کا آغاز ہوا، یوسف اسلام کی تقریر شروع ہوئی۔ میں بڑے اشتیاق اور انہماک سے تقریر سن رہا تھا۔ نظریں مقرر کے چہرے پر جمی تھیں۔ رات کو وہ ساری تقریر یاد کر کے اردو میں قلم بند کی، آپ مطالعہ فرمائیے۔

میں بچپن ہی سے ایک فنکار بننے کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک گلوکار بننے کے لئے میں نے بڑی مشق کی، پھر مجھے ایک رقاص بننے کی سوجھی۔ ان مشاغل کے ساتھ ساتھ میری روحانی جستجو کا سفر شروع ہو چکا تھا مجھے ایک ذہنی کرب کا احساس ہوا۔ میں مادی چیزوں میں کھو چکا تھا، لیکن کبھی کبھی وہ سب کچھ مجھے بے اصل اور ہیچ معلوم ہونے لگتا تھا۔ ایک بار تو سکون کی تلاش میں میں نے بدھ مت کا پیرو کار بننے کی ٹھان لی لیکن اس کے مطالعے سے پتہ چلا کہ ایک بھکشو کی زندگی ایک عام شخص کی زندگی سے یکسر مختلف ہے۔ پھر وہ زندگی بھی کیا ہوئی کہ آپ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اور سب سے قطع تعلق کر کے جنگل بیابان کی راہ لیں اور زندگی کی کوئی سرگرمی باقی نہ رہے۔

کبھی مجھے یوگا نے بڑا متاثر کیا۔ اس کی مختلف مشقیں مجھے پسند آئیں اور کبھی کبھی مجھے قدرے اطمینان کا احساس بھی ہوا۔ لیکن جلد ہی ظاہر ہو گیا کہ یوگا یا اس قسم کے اور سب طریقے زندگی کی حقیقت نہیں ہیں۔ ان میں سے کسی کو آپ زندگی کا لائحہ عمل قرار نہیں دے سکتے۔ ان کے اصول قاعدے بظاہر کتنے ہی بھلے کیوں نہ لگتے ہوں، زندگی کی ساری وسعتوں اور عملی ضرورتوں پر محیط نہیں ہیں۔ آپ اپنے سارے سوالوں کا جواب ان سے طلب نہیں کر سکتے۔ مختلف

طریقوں اور مذہبوں میں بعض بعض باتیں بہت ہی عمدہ اور دلکش دکھائی دیتی ہیں' لیکن زندگی کی مکمل رہنمائی میسر نہیں آتی اور حقیقت کا انکشاف نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ سوچ سوچ کر میرے گرد مایوسی اور اداسی کا ایک پردہ چھا گیا۔ میری عمر اب 25 برس کے لگ بھگ ہو گئی اور کام حسب معمول ہو رہا تھا۔ انہی دنوں میرے بڑے بھائی ڈیوڈ کو یروشلم جانے کا اتفاق ہوا۔ یہ ایک ایسا سفر تھا۔ جس کا ایک مقصد مقدس مقامات کی زیارت بھی تھا۔ شاید وہ وہاں جا کر دیکھنا چاہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہاں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنی زندگی کے دن کہاں کہاں گزارے اور کس کس مقام پر تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیا۔ شاید وہ اطمینان قلب کی خاطر وہاں گئے تھے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انہیں وہاں کچھ نہیں ملا۔

ایک روز وہ گھومتے پھرتے مسجد اقصیٰ میں جا نکلے۔ وہ اس کے جمال اور وقار سے قدرے متاثر ہوئے اور وہاں ایک خاص طرح کا روحانی سکون محسوس کیا۔ یہودی اور مسیحی عبادت گاہوں کے برعکس یہاں ان کو ایک مختلف تجربہ ہوا۔ کشادگی اور مسجد میں نمازیوں کی سجدہ ریزی کا سکون بخش منظر انہیں کہیں دکھائی نہ دیا تھا۔ وہ اس سے پہلے کبھی کسی مسجد کے اندر نہیں گئے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ یہاں کوئی راز نہیں' ہر شے عیاں اور کھلی ہے۔ بہرحال انہوں نے انگلستان پہنچتے ہی قرآن شریف کا ایک ترجمہ خرید لیا۔ انہوں نے شاید اس کا تھوڑا سا مطالعہ بھی کیا۔ اگرچہ ہم بھائیوں کے درمیان تحفوں کا تبادلہ شاید ہی ہوا ہے۔ لیکن انہوں نے یہ انگریزی ترجمہ بطور تحفہ مجھے عنایت فرمایا۔ شاید یہ سوچ کر کہ مجھ پریشان خاطر کو ہدایت کی زیادہ ضرورت تھی۔

الحمدللہ! کہ میں نے قرآن شریف کا مطالعہ شروع کیا جوں جوں میں آگے بڑھتا گیا مایوسی اور اداسی کا پردہ چاک ہوتا چلا گیا' رفتہ رفتہ زندگی کا ایک واضح مفہوم میری سمجھ میں آنے لگا۔ زندگی کی روشنی مجھ پر طلوع ہونے لگی اور حقیقت کے انکشاف کا آغاز ہو گیا۔ میں آہستہ آہستہ گردوپیش' اپنے ماحول اور اپنے دوستوں سے بیزار ہونے لگا اور ان سے کنارہ کشی اختیار کرتا گیا۔ اس سلسلے میں مجھے بڑی دشواری کا سامنا ہوا۔

قرآن شریف کے مطالعے سے مجھ پر یہ حقیقت کھل گئی کہ میں جو مکمل نظام حیات تلاش کر رہا تھا اور جس حقیقت کے حصول کے لئے بھٹکتا پھر رہا تھا' وہ اسلام کی راہ پر چلنے ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ شک کے سب کانٹے نکل چکے تھے اور ایمان کے تازہ پھول کھلنے لگے تھے۔ میں کوئی ڈیڑھ سال تک قرآن شریف کو بار بار پڑھتا رہا اور سوچتا رہا کہ شاید میں اسی کے لئے پیدا کیا گیا ہوں اور یہ

میرے لئے تخلیق ہوا ہے۔ میں اب تک کسی مسلمان سے نہیں ملا' لیکن مجھے احساس ہونے لگا کہ مجھے جلد ہی یا تو مکمل طور پر ایمان لے آنا ہوگا یا موسیقی کے دھندے ہی میں پھنسے رہنا ہوگا۔ یہ وقت میرے لئے بڑا کٹھن تھا۔

ایک روز کسی نے لندن کی ایک نئی مسجد کا تذکرہ کیا۔ قبول دین کا لمحہ آ پہنچا تھا۔ 1977ء کا موسم سرما تھا کہ ایک جمعے کے روز میرے قدم مسجد کی طرف اٹھنے لگے۔ جمعے کی نماز کے بعد میں نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا اور اس طرح مسلمانوں سے میرا پہلا رابطہ قائم ہوا۔

مجھے قرآن شریف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نظر آئے جن کی اپنی ایک شخصیت تھی اور جن کا اپنا ایک پیغام تھا۔ بلاشبہ وہ اللہ کے ایک نیک بندے اور رسول تھے۔ ان کی صرف ایک ہی تصویر ابھرتی ہے اور وہ ایک انسانی تصویر ہے۔ دنیا کے مختلف گرجا گھروں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بنی ہوئی تصویریں اور مورتیاں ایک دوسرے سے مختلف ہیں' وہ مختلف شخصیتوں کو نمایاں کرتی ہیں لیکن وہ خدا نہ تھے' نہ خدا کے بیٹے۔ قرآن شریف میں ان کی صحیح شخصیت کا تصور واضح ہوتا ہے۔

مجھے اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی نظر آئے' جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اپنے بیٹے کی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ وہ آزمائش میں پورے اترے اور اللہ تعالیٰ نے قربانی کے لئے ایک مینڈھا بھیج دیا۔ تب سے انسانی قربانی کا تصور ختم ہوا اور جانور کی قربانی کی روایت قائم ہوئی۔

بہرحال سب پیغمبر خدا کے بھیجے ہوئے ہیں لہٰذا قابل احترام ہیں اور سب کے بعد تشریف لانے والے حضور اکرم محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جن کا پیغام رہتی دنیا تک کے لئے ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ان کی بتائی ہوئی راہ پر گامزن رہیں اور دنیا و آخرت کی سعادتیں حاصل کریں۔

الحمدللہ! میں ایک مسلمان کی حیثیت سے بہت خوش ہوں۔ میری بیوی بہت اچھی مسلمان ہے۔ ہم اپنے بچوں کو بھی بہت اچھا مسلمان دیکھنا چاہتے ہیں اور اسلام کی خدمت میں زندگی گزار دینا چاہتے ہیں۔

اسلام میں اولاد کی تربیت

(عبداللہ ناصح علوان)

تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے قرآن مجید کے ذریعہ لوگوں کو صحیح تربیت کا راستہ بتلایا اور شریعت اسلامیہ کے احکامات کے ذریعہ تمام مخلوق کو ہدایت' خیر و بھلائی اور اصلاح کے بنیادی اصولوں سے روشناس کرایا۔

اور درود سلام ہو سرکار دوعالم حضرت محمد ﷺ پر جن کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لئے مربی و معلم بنا کر مبعوث فرمایا اور جن پر ایسی عظیم الشان شریعت نازل فرمائی جو بنی نوع انسان کے لئے عزت و کرامت اور بزرگی و شرافت کے دروازے کھولتی ہے اور سیادت و قیادت اور بلندی و استحکام کے مراتب عالیہ تک پہنچنے میں بہترین معاون ثابت ہوتی ہے۔ اور اللہ کی رحمت ہو نبی کریم ﷺ کی ان آل و اولاد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین پر جنہوں نے بعد میں آنے والوں کے لئے اولاد کی تربیت اور امتوں کی اصلاح و تعمیر کے سلسلہ میں ایسے شاندار بے نظیر نمونے چھوڑے جو قوموں کے لئے مشعل راہ بنے اور اللہ کی رحمت ہو ان حضرات پر جو ان کے نقش قدم پر چلے اور ان کے مبارک راستہ کو قیامت تک اپنے لئے سبیل نجات سمجھ کر اس پر چلتے رہے' حمد و ثناء اور درود سلام کے بعد:

1۔ بنی نوع انسان پر دین اسلام کے جو بے شمار احسانات ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ دین اسلام بشریت و انسانیت کے لئے ایک ایسا جامع اور عظیم نظام پیش کرتا ہے جو انسانی نفوس کی تربیت' قوموں اور افراد کی تعمیر اور معاشرے کے درست کرنے اور ان میں شرافت اور ترقی کی راہ ہموار کرنے میں بنیاد کا کام دیتا ہے۔

جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلام بھٹکتی ہوئی گم کردہ راہ انسانیت کو شرک و بت پرستی' جہالت و گمراہی اور انارکی کی تاریک وادیوں سے نکال کر توحید باری تعالیٰ اور علم و ہدایت' استحکام و استقرار کے منور اور روشن راستہ پر گامزن کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں بالکل درست اور حق فرماتے ہیں ارشاد ہے:

قد جاء کم من الله نور و کتب مبین یهدی به الله من اتبع رضوانه سبل السلم و
یخرجهم من الظلمت الی النور باذنه و یهدیهم الی صراط مستقیم (المائدہ 15-16)
" بے شک آئی تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور ظاہر کرنے والی کتاب جس سے اللہ تعالیٰ ہدایت کرتا ہے سلامتی کی راہیں اس شخص کو جو اس کی رضا کا تابع ہوا اور ان کو نکالتا ہے اپنے حکم سے اندھیروں سے روشنی میں انکو چلاتا ہے سیدھی راہ"۔

2۔ اسلامی شریعت کے فضل و کمال اور فخر کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ دشمنان اسلام بھی اسلام کی ترقی و ابدی ہونے اور اس کے فعال اور ہر زمانے و ہر جگہ کے لئے صلاحیت رکھنے کے معترف ہیں ہم ان حضرات کے لئے جنہیں اہل مغرب کی شہادت پسند ہے۔ ان کے کچھ اقوال اور توصیفی کلمات کے نمونے اور شہادات پیش کرتے ہیں تاکہ آپ سب حضرات یہ جان لیں کہ انصاف پسند غیر مسلم حضرات اسلام کے ابدی پیغام اور بلند و بالا تعلیمات کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

☆ جناب غوستاف لوبون جناب لیبری کا مندرجہ ذیل قول نقل کرتے ہیں کہ:
"اگر اہل عرب صفحہ تاریخ پر نمودار نہ ہوتے تو جدید یورپی ترقی و تمدن صدیوں موخر ہو جاتا۔

☆ لین پول اپنی کتاب "العرب فی اسبانیا" میں لکھتے ہیں:
ناخواندہ اور غیر تعلیم یافتہ یورپ جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ جب کہ اندلس پورے عالم میں علم کا امین اور ثقافت کا علمبردار تھا۔

☆ الیاس ابو شبکہ اپنی کتاب "روابط الفکر و الروح بین العرب والفرنجۃ" میں رقمطراز ہیں۔
عربی تمدن کا زوال اسپین اور یورپ کے لئے نحوست کا موجب بنا' اس لئے کہ اندلس کو ترقی و خوشحالی عرب کے زیر سایہ حاصل ہوئی' چنانچہ عرب وہاں سے چلے گئے تو مال و دولت' حسن و جمال اور ترو تازگی و شادابی کی جگہ ویرانی اور تباہی و بربادی نے لے لی۔

☆ سیدیلوت اپنی کتاب "تاریخ العرب" میں تحریر کرتے ہیں۔
قرون وسطیٰ میں مسلمان علوم فلسفہ و فنون میں منفرد تھے۔ اور جہاں جہاں یہ حضرات مقیم

ہوئے وہاں انہوں نے علوم کی ضیاء پاشی اور نشرواشاعت کی، یورپ میں علم انہی کے واسطہ سے پہنچا اور یہی حضرات اس کی ترقی اور عروج کا سبب تھے۔

مشہور انگریز فلسفی برناڈ شا کی شہادت تو اکثر پڑھے لکھے حضرات نے سنی ہو گی آیئے ان کا کلام ان کے الفاظ میں سنئیے:

حضرت محمد ﷺ کا دین نہایت بلند وبالا مرتبہ کا مالک ہے اس لئے کہ اس میں حیران کن صلاحیت ہے اور وہ ہر دور کے لئے قابل عمل ہے اور یہ ایسا منفرد دین ہے جس میں یہ ملکہ بخوبی پایا جاتا ہے کہ زندگی کے مختلف اطوار وعادات کو قابو کرلے اور میرے نزدیک تو محمد ﷺ کو انسانیت کا محسن اور ہلاکت سے بچانے والے کا لقب دینا فرض ہے اور اگر ان جیسا کوئی شخص آج کے دور میں عالم کی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لے تو وہ آج کی مشکلات ومسائل آسانی سے حل کر لے گا۔

یہ اور ان کے علاوہ اور دوسرے حضرات کے اقوال ہر ذی بصیرت وصاحب فہم کے سامنے اس بات کی مستقل شہادت اور دلیلیں دے رہے ہیں کہ اسلامی نظام ترقی وتمدن اور تہذیب و ثقافت اور زندہ تعلیمات پر مشتمل ایک ایسا بے نظیر دین ہے جو ہر زمانے و ہر جگہ کے لئے پوری صلاحیت رکھتا ہے، واقعی کمال تو درحقیقت وہ ہے کہ جس کا دوسرے بھی اعتراف کریں اور دشمن بھی اس کی شہادت دیں کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

شهدالانام بفضله حتى العدا　　　والفضل ماشهدت به الاعداء

لوگوں نے اس کے فضل وکمال کی شہادت دی حتی کہ دشمنوں تک نے اور واقعی کمال تو وہ ہے کہ جس کی شہادت دشمن بھی دیں۔

3۔ شریعت اسلامیہ چونکہ بندوں کو ان کے خالق ورب سے ملاتی ہے اور ان کی ضروریات کو پورا کرتی ہے، مشعل راہ کا کام دیتی ہے اور ہر نئے مسئلہ کا حل، ہر دور کے ساتھ چلنے کی صلاحیت رکھتی ہے تو کیا اس کے بنیادی نظریات اور جدید تقاضوں کا پورا کرنا صرف ایک ذہنی وفکری سوچ اور کتابوں میں مدون نظریات تک محدود ہے یا یہ صلاحیت اور اہلیت اور نظریات درحقیقت ایک

امت میں موجود ہیں جس کا مشاہدہ آنکھوں سے ہو رہا ہے۔

آیئے جواب کے لئے سید قطبؒ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں وہ کیا جواب دیتے ہیں وہ لکھتے ہیں: حضرت محمد ﷺ اس وقت ہی کامیابی کی منزل کو پہنچ گئے تھے جب انہوں نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ایمان و یقین کی ایک ایسی زندہ مثال بنا دیا تھا جو کھاتی پیتی اور بازاروں میں چلتی پھرتی تھی' وہ دن جس دن انہوں نے ہر صحابی کو روئے زمین پر چلتا پھرتا زندہ قرآن کریم بنا دیا تھا' وہ دن جس دن آپ ﷺ نے ہر فرد کو اسلام کا مجسم نمونہ بنا دیا تھا ان کو دیکھ کر لوگ اسلام کا مشاہدہ کر لیا کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اسی دن کامیابی کی اعلیٰ منازل تک پہنچ گئے تھے جس دن انہوں نے اسلامی تصور کو انسانوں کی شکل میں ڈھال دیا اور ان کے اسلام کو عملی جامہ پہنچایا اور ایک قرآن کریم کے دسیوں اور پھر سینکڑوں اور ہزاروں نسخے بنا ڈالے' لیکن یہ نسخے وہ نسخے نہ تھے جنہیں روشنائی کے ذریعے کاغذ پر چھاپا جاتا ہے بلکہ آپ نے اس قرآن کریم کو نورانی روشنائی سے دلوں پر کندہ و تحریر فرما دیا تھا' اور اس اسلام کو لوگوں کے عمل اور قول و فعل میں رچا بسا دیا' اور اس کو ان کا اوڑھنا بچھونا بنا دیا' اور وہ حضرات اپنے قول و فعل سے یہ بتانے لگے کہ وہ اسلام جسے حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی جانب سے لائے تھے وہ کیا ہے؟۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ہراول دستے کی تربیت رسول اللہ ﷺ نے کس طرح کی تھی اور ان کے بعد آنے والے حضرات نے کس طرح اس دین کو پیش کیا اور اس پر کیسے عمل کیا؟ اگر اس کی جھلک دیکھنا ہو تو تاریخ کے زرین صفحات کا مطالعہ کیجئے تاکہ ان کے جلیل القدر کارناموں اور مناقب و محامد کا بڑا حصہ نظروں کے سامنے آسکے' کیا دنیا نے ان سے زیادہ معزز و مکرم' رحمدل و محبت والے بلند و بالا اوصاف و اخلاق کے مالک ترقی یافتہ اور اہل علم حضرات کو پہچانا ہے؟

ان حضرات کے فضل و کمال اور عز و شرف کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے:

محمد رسول اللہ والذین معہ اشدا علی الکفار رحماء بینھم ترھم رکعا سجدا

یبتغون فضلا من الله ورضوانا سیماهم فی وجوههم من اثر السجود (الفتح-۲۹)

"محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں سخت ہیں کافروں پر' رحمدل و نرم دل ہیں آپس میں تو ان کو دیکھے رکوع اور سجدہ میں تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشی' سجدہ کے اثر سے ان کے چہرے پر نشانی ہے"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

کانوا قلیلا من الیل ما یھجعون- وبالاسحارھم یستغفرون- وفی اموالھم حق للسائل والمحروم- (الذاریات ۱۷ تا ۱۹)

"وہ رات کو تھوڑا سوتے تھے اور صبح کے وقتوں میں استغفار کرتے تھے (معافی مانگتے تھے) اور ان کے مال میں حصہ تھا مانگنے والوں اور محروموں کا"

اور فرمایا

والذین تبوو الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجتہ مما اوتوا ویوثرون علی انفسھم ولوکان بھم خصاصتہ ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون- (الحشر-9)

"اور وہ لوگ جو جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے سے' وہ محبت کرتے ہیں جو ان کے پاس وطن چھوڑ کر آئے اور اپنے دل میں تنگی نہیں پاتے' اس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے اور ان کو اپنی جان سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان کے اپنے اوپر فاقہ کیوں نہ ہو اور جو اپنے جی کی لالچ سے بچایا گیا تو وہی لوگ مراد کو پانے والے اور کامیاب ہیں"

اور فرمایا

من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضی نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا- (الاحزاب- ۲۳)

"کتنے ہی مرد ہیں ایمان والوں میں سے کہ انہوں نے سچ کر دکھلایا اس چیز کو جس کا اللہ تعالیٰ سے عہد کیا پھر کوئی تو ان میں سے اپنا ذمہ اور وقت مقررہ پورا کر چکا اور کوئی انہی کا راہ دیکھ رہا ہے

اور نہیں بدلا ایک ذرہ بھی"

یہ نمونے اور مشتے از خروارے کے طور پر ان حضرات کے مناقب و محاصد کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کے بارے میں قرآن کریم کے پیش کردہ فرامین کا ایک ہلکا سا سرسری جائزہ ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات صحابہ کرامؓ کی بدولت مثالی اور شاندار معاشرہ کے سلسلہ میں مفکرین کا خواب شرمندہ تعبیر ہوا اور فلاسفہ کی ایک دیرینہ تمنا وجود میں آئی۔۔۔۔ اور ایسا کیوں نہ ہو جیسا کہ لوگوں نے عملی طور پر بچشم خود یہ مشاہدہ کرلیا کہ قاضی دو سال تک منصب قضاء پر بیٹھتا ہے لیکن دو آدمی بھی اس کے پاس مقدمہ لیکر نہیں آتے اور وہ آپس میں کس طرح جھگڑ سکتے تھے جب کہ قرآن کریم ان کے درمیان موجود تھا' کیونکر ان میں فتنہ و فساد پھیلتا جب کہ وہ اپنے بھائیوں کے لئے بھی وہی پسند کرتے تھے جو ان کو اپنے لئے پسند ہوتا اور بات یہ تھی کہ وہ ایک دوسرے سے بغض و حسد کیونکر رکھ سکتے تھے اس لئے کہ اسلام ان کو آپس میں بھائی چارگی الفت و محبت کے ساتھ رہنے اور ایثار و قربانی کے جذبہ کے ساتھ زندگی گزارنے کا حکم دے رہا تھا۔

لیجئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے بارے میں جو تعریفی کلمات ارشاد فرمائے ہیں اور ان کے مناقب کو بیان کیا ہے اور ان کے افعال حمیدہ کو اپنانے اور ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کے اخلاق کریمانہ کو اپنے اندر جذب کرنے کی دعوت دی ہے اسے غور سے سنیں وہ فرماتے ہیں:

جو شخص کسی کو اپنا مقتدا بنانا چاہے تو اسے چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کو اپنا مقتدا بنائے اور ان کی پیروی کرے اس لئے کہ وہ حضرات اس امت کے نہایت نیک دل افراد تھے اور وسیع عمیق علم کے مالک تھے' تکلف سے بہت دور تھے' عادات و اخلاق میں نہایت صاف ستھرے اور حالات کے اعتبار سے بہت ممتاز تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کریم ﷺ کی محبت و معیت اور اپنے دین کے قائم کرنے کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ لہٰذا ان کے مرتبہ کو پہچانو۔ اور ان کے نقش قدم پر چلو' اس لئے کہ وہی حضرات سیدھے راستہ پر گامزن تھے۔

4۔ مسلمان قومیں شروع ہی سے ان کے علم و فضل کے چشمہ سے سیرابی اور ان کے مکارم و

محاسن کے نور سے روشنی حاصل کرتی رہیں اور تربیت و تعلیم کے سلسلہ میں انہی کے طریقے کو اپنایا اور مجد و شرافت کی عمارت تعمیر کرنے میں ان کو اپنا مقتدا و پیشوا بنایا۔۔ تاآنکہ وہ دور آگیا جس میں اسلامی احکام ختم اور روئے زمین سے خلافت اسلامیہ کے نشانات زائل ہونے لگے اور دشمنان اسلام اس بات میں کامیاب ہو گئے کہ وہ اپنے گندے مقاصد اور ناپسندیدہ اغراض تک پہنچ جائیں اور اپنی اس آرزو کو پالیں جو عرصہ دراز سے ان کے دلوں میں پوشیدہ تھی اور وہ یہ کہ عالم اسلام کو ایک دوسرے سے لڑنے اور بغض رکھنے والی امتوں اور قوموں میں تقسیم کردیں اور پھر یہ چھوٹی چھوٹی حکومتیں آپس میں لڑتی جھگڑتی رہیں اور اپنی خواہشات نفسانیہ کی غلام بن جائیں اور ہاتھ دھو کر دنیا کے پیچھے پڑ جائیں اور اسلام کے بنیادی اصولوں اور اس کے احکام سے دور ہوتے چلے جائیں۔ اور ان کی ساری توجہ دنیاوی خواہشات و لذات کے حصول کی طرف مبذول ہو اور آزادی اور اباحیت کے گڑھوں میں الٹے سیدھے ہاتھ مارتے ہوئے گرتے رہیں۔ ان کے سامنے نہ کوئی مقصد اور غایت ہو نہ منزل و ٹھکانہ اور وہ اسی طرح وقت گزارتے رہیں نہ عزت و شرافت کے حصول کی کوشش ہو نہ اتحاد اور اپنے معاشرہ کی تعمیر کی۔ دیکھنے میں متحد اور متفق معلوم ہوں لیکن اندر سے الگ الگ اور منتشر ہوں' بظاہر بڑے طاقتور معلوم ہوں لیکن حقیقت میں ان کی مثال سیلاب کے خس و خاشاک کی سی ہو اور اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ بہت سے مصلحین اور وعظ و نصیحت اور دعوت و ارشاد کرنے والے حضرات اس حالت کو دیکھ کر مایوس سے ہو چلے ہیں اور ناامیدی کے بادل ان پر چھانے لگے ہیں' اس لئے کہ وہ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اب اس امت کی اصلاح کا کوئی راستہ نہیں' اور اس کو دوبارہ اپنے اس عظیم منصب تک پہنچانے کی کوئی امید نہ رہی ہے اور ان کی سابقہ عزت و شہرت' فضل و کمال' وحدت و اجتماع کو دوبارہ لوٹانا ممکن نہیں ۔۔ بلکہ ان مصلحین میں سے بعض حضرات یہ کہنے لگے ہیں کہ اب گوشہ نشینی اور یک سوئی اختیار کرنا چاہئے اس لئے کہ وہ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اب اخیر زمانہ آگیا ہے اور اب وہ وقت آگیا ہے جس میں مسلمان شخص کو اپنی بکریاں وغیرہ لے کر پہاڑوں پر ڈال لینا چاہئے تاکہ وہاں رہ کر اپنے آپ کو فتنوں سے بچا سکے۔ اور اسلام و ایمان کے ساتھ اپنے رب سے جا ملے۔

یہود و نصاریٰ کی مقدس اور حتمی جنگ کی تیاریاں

(غلام محمد خیر البشر فاروقی)

☆ سابقہ صدر ریگن نے اپنے اسی عقیدے کا اظہار گیارہ سے زائد مرتبہ مختلف موقعوں پر کیا اور واضح لفظوں میں اعلان کرتا رہا کہ "جنگ ہر مجدون" کی ہلاکت خیزی قریب سے قریب تر ہے۔ جس کے نتیجے میں دنیا فنا ہونے والی ہے۔

☆ سابقہ صدر جارج بش اول عیسائی بنیاد پرست جیری فول ویل کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کرتا تھا کہ "جیری فول ویل جیسی مذہبی شخصیتیں اگر عیسائیوں میں پیدا ہوتی رہیں تو ہمیں پوری دیانتداری سے یقین ہے کہ آئندہ یہودیوں کے قتل عام جیسی رسوائی مستقبل میں کبھی بھی کسی کو نہ دیکھنا پڑے گی"۔

(یعنی عیسائی عقیدے کے مطابق یہودی بالآخر نزول مسیح علیہ السلام کے زمانے میں عیسائی ہو جائیں گے اور مل کر "کفار" کا قتل عام کریں گے)

یہ عیسائی مفکر یہودیوں کے ارض مقدس میں لوٹنے اور موعود مسیح کے قائل اور حامی ہیں صدر بش اول اپنے بارے میں اپنی کتاب (LookingForward) میں لکھتا ہے کہ اس کا دادا ایک کٹر قسم کا پادری تھا۔ ہمارا گھرانہ آج بھی مذہبی گھرانہ ہے۔

ہمارے لوگ روزانہ کتاب مقدس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ جب میں چین کے سفارتی ذمہ داریوں کے دور میں بچی کی پیدائش پر بپتسمہ دینے پر دشواریوں کا شکار ہوا تو کلیساء کی کمی نے مجھے چین کی کمیونسٹ حکومت سے کافی دلبرداشتہ کیا۔ کیونکہ بپتسمہ کا جھنجھٹ عیسائیت میں بھی صرف مذہبی لوگ ہی پالتے ہیں اس طرح کے اور بھی واقعات بش نے خود بیان کئے ہیں۔ اندازہ لگالیں کہ جنھیں ہم بے دین کافر اور کیا کچھ کہتے ہیں وہ اپنی مذہبی بنیاد پرستی پر کتنا پختہ یقین رکھتے ہیں۔

☆ عیسائی مذہب میں دیندار کہلوانا ایسا نہیں ہے جیسا کہ ہمارے ہاں دینداری سے سمجھا جاتا ہے عیسائی مذہب کسی قاعدے و ضابطے کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اس مذہب میں کوئی ٹھوس اور جامع شریعت سرے سے ہی نہیں ہے۔ صرف چرچ جانے اور پادری کو راضی کرنے کی پابندی کا نام عیسائیت ہے اس کے باوجود سات امریکی سربراہان مملکت تورات کی (تحریف شدہ) پیشین گوئیوں پر مکمل ایمان اور یقین رکھتے تھے......؟!!

تحریک صیہونیت؟ صیہونی تحریک ارض فلسطین پر اپنے حق کی دعویدار کیوں بنی؟ نیز یہود و نصاریٰ نے کیونکر یہ سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ اسلام سے جو عہد باندھا تھا وہ یہودیوں کے حق میں ہے اور کوئی دوسری قوم اس کی اہل و مستحق ہرگز نہیں ہو سکتی۔۔۔؟ ان دو موضوعات پر گفتگو کرتے ہوئے عرب کے مایہ ناز مفکر اسلام ڈاکٹر سفر الحوالی فرماتے ہیں کہ دراصل یہودیوں کو متحد کرنے کی بیناد پر وٹسٹنٹ عیسائیوں نے متذکرہ بالا توراتی پیشین گوئیوں کی تصدیق کی پیش رفت کے مذہبی فریضہ کے ضمن میں اختیار کی تھی اور مارٹن لوتھر نے صیہونی تحریک کی بنیاد رکھی تھی جو عیسائی تھا صیہونی تحریک کا بانی شخص تھیوڈور ہرتشل کو بتایا جاتا ہے مگر حقیقت کچھ اور ہے تین چار صدیاں قبل یہ نظریہ عام ہوا کہ یہود و نصاریٰ کا مشترکہ دشمن اسلام ہے جب کہ یہودیوں پر انجیل و قرآن حکیم دونوں میں لعنت کی گئی ہے۔ یہودی عیسائیوں کے ہاں بھی لعنتی سمجھتے جاتے ہیں۔ مگر اس کا سبب قرآنی آیات نہیں بلکہ عیسائیوں کا وہ عقیدہ ہے جس کی رو سے ان کے خداوند مسیح علیہ اسلام کو قتل کرنے والے یہودی تھے۔ پاپائے روم کے صدر مقام کلیسا سے ہر دور میں یہودیوں پر اور ان کی دعوت پر ایسی لعنت ہوتی رہی ہے جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ کلیساء کی یہودیوں سے نفرت کا اندازہ آپ اس واقعے سے لگا سکتے ہیں کہ جب یورپ میں ایک بیماری وبائی شکل اختیار کر گئی جسے یورپی تاریخ میں سیاہ طاعون یا کالی وباء سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جس سے لاکھوں باشندے ہلاک ہو کر شہروں کے شہر اجڑ کر ویران و برباد ہو گئے تھے۔ تو پاپائے روم نے اپنے سرکاری بیان میں اس وباء کا سبب سردار یہودیوں کا قرار دینا عیسائیوں کی روایت بن گیا تھا اور کئی تنظیمیں محض یہودیوں سے معاشرے کو پاک کرنے کے لئے وجود پذیر ہوتی رہیں جن کی سرپرستی پاپائے روم کیا کرتا تھا اور اسی سوچ اور نفرت کی بناء پر فرانس و برطانیہ اور جرمنی سے یہودی نکالے گئے تھے ملک بدری کی روش تیرہویں صدی عیسوی سے پندرہویں صدی تک رہی۔ یہ تحریک Inquisitionjewish spanish expuision کہلائی۔ کیونکہ عیسائی یہودیوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ "اللہ کی پیدار کردہ مخلوقات میں سے خبیث ترین اور شریر ترین و بد طینت مخلوق یہودی ہیں۔ اس کسمپرسی اور جلا وطنی کی حالت میں یہودیوں نے اسلامی مملکت اندلس میں پناہ حاصل کی تھی۔ جہاں پہنچ کر انہیں چین سے جینا نصیب ہوا۔

☆ سولھویں سترویں صدی تک اندلس سے دوبارہ بھاگتے ہوئے یہودیوں نے نئی دریافت شدہ سرزمین امریکہ میں اس وقت کے مغضوب پروٹسٹنٹ فرقہ عیسائیت کے ہمراہ ہجرت کی اور نئی

تورات و انجیل کے امتزاجی مواد "ملغوبہ" سے بندے اور اللہ کے درمیان پادری کے وسیلہ کو رد کرتے ہوئے مسلمانوں کی تقلید میں از خود کتاب کی تلاوت شروع کر دی۔ جس کے بعد پروٹسٹنٹ فرقہ کی تحریک نو سے یورپ و امریکہ میں مذہبی رجحانات کے اندر ایک نئی رو چلی اور لوگ نئی کتاب مقدس کے ترجمے انگریزی و جرمنی میں کر کے عیسائیت میں ایک نیا دین (ملغوبہ) و فرقہ اختراع کر کے اس کے پیرو کار بن گئے۔

☆ یہودی چونکہ فطرتاً عیاری اور مکاری اور مفاد پرستی میں ماہر تھے لہٰذا انہوں نے اس نئے فرقے کو اپنی تحریفوں سے کچھ کا کچھ بنا دیا۔ لہٰذا اس نئے فرقے کی عیسائیت پر ایمان لا کر لاتعداد عیسائیوں نے نئی کتاب مقدس کی حرفیت پر ایمان لا کر تورات کی عصمت و عفت کے قائل ہوتے چلے گئے اور اسے خالصتاً وحی تسلیم کیا جو اللہ کی طرف سے حق لے کر آئی ہے تورات سے براہ راست رجوع کرنے سے انہیں ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کے ساتھ باندھے گئے عہد کے متعلق علم ہوا۔ مگر وہ سب کچھ یہودیوں کا خود ساختہ تحریف شدہ مفاد پرستانہ مواد وحی ہے۔ پروٹسٹنٹ تحریک کے اثر سے ہی عیسائی اس بات کے قائل ہوئے کہ "فلسطین یہودیوں کی سرزمین ہے" اور مسلمان دونوں کے مشترکہ دشمن ہیں۔ اس "قدر مشترک" سے عیسائیوں اور یہودیوں کے باہمی روابط و تعلقات سدھرنے لگے۔ یہودیوں کی طرح پروٹسٹنٹ فرقے نے بھی کیتھولک فرقے کے ظلم و ستم سے بھاگ کر امریکہ میں پناہ ہجرت اختیار کر لی تھی لہٰذا دونوں "مظلوم" مل جل کر اپنے مشترکہ دشمنوں سے نجات کی منظم راہیں ڈھونڈتے رہے۔۔۔۔۔"

☆ انہوں نے اپنی ہجرت کو بنی اسرائیل کی ہجرت سے تشبیہ دی اور کہا کہ جیسے بنی اسرائیل ارض مقدس میں وارد ہوئے تھے ویسے ہی ہم امریکہ میں وارد ہوئے ہیں۔ انہوں نے شہروں کے نام بھی اپنے انہیں قدیمی ناموں پر رکھے ہیں۔ جن کا ذکر تورات میں آیا۔ یہ امریکی اپنے آپ کو تورات کی تعلیمات پر مانتے ہیں اور سرزمین امریکہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت مانتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض امریکی بنیاد پرست عیسائی و یہودی فلسطین کی بجائے امریکہ کو ہی "ارض موعود" سمجھتے اور مانتے ہیں یعنی امریکی معاشرے کی اٹھان ہی پروٹسٹنٹ و یہودی افکار پر ہوئی ہے جن میں نہ کلیسا کی کوئی اہمیت ہے اور نہ ہی پادری کا وسیلہ مانا جاتا ہے۔ یہ فرقہ مذکورہ بالا عہد پر پختہ ایمان و عقیدہ رکھتا ہے۔

☆ گزشتہ صدی میں پروٹسٹنٹ تحریک نے امریکہ و برطانیہ میں خوب خوب فروغ حاصل

کیا۔ اسی دوران مکار و عیار یہودی ذہنیت نے اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے پروٹسٹنٹ تحریک کے پلیٹ فارم سے "صیہونی تحریک" کا عملی آغاز کیا۔ جو مارٹن لوتھر کی وساطت سے پروٹسٹنٹ تحریک میں "جڑیں" پھیلا چکی تھیں۔ تھیوڈور ہرٹسل کی صیہونی تحریک سے امتیاز رکھنے کے لئے "صیہونی نصرانی تحریک" کا نام دیا گیا۔ بر سبیل مثال ملکہ وکٹوریہ کے عہد حکومت میں "نئے دریافت شدہ فلسطین" اسرائیل کے لئے سارے برطانیہ میں ایک فنڈ قائم کیا گیا' جس کا نگران اعلیٰ کنٹربری کے لاٹ پادری کو مقرر کیا گیا۔ برطانیہ کا بشپ اعظم جسے تورات میں مذکورہ "ارض موعود" اور اس کی حدود کی تلاش کا کام سونپا گیا تھا اس کے بعد بالفور نمودار ہوا (مشہور زمانہ اعلان بالفور کا بانی) بالفور کی بھانجی نے اس کی سوانح حیات مرتب کی ہے جس میں وہ لکھتی ہے کہ بالفور تورات پر پختہ ایمان رکھتا تھا اور اس کی تلاوت سے رطب اللسان رہتا اور تورات کی حرف بحرف تصدیق کرتا تھا۔ اعلان بالفور دراصل اس کے ایمان و یقین پختہ کا ہی ثمرہ خداوند ہے۔

☆ یاد رہے کہ اعلان بالفور کے وقت برطانیہ کا وزیر اعظم جارج لوئیس تھا۔ جس نے اپنے متعلق بڑی صراحت سے کہا تھا کہ وہ صیہونی ہے اور تورات میں یہودیوں کے ارض مقدس میں یقینی ورود کے متعلق جو ذکر آیا ہے اس پر پختہ ایمان و عقیدہ رکھتا ہے اور ارض مقدس میں یہودیوں کی واپسی نزول مسیح علیہ السلام کا ہی پیش خیمہ ہے......"

☆ ادھر امریکہ میں بھی اس زمانے میں یہی صورتحال تھی صدر ولسن نے یہودیوں کے مطالبے کی پرزور حمایت کی بلکہ صدر ولسن کی حمایت سے بھی پہلے بلیک اسٹون نے یہودیوں کی آبادکاری کا پرزور مطالبہ کیا تھا۔ جو ایک کٹر عیسائی تھا اور صدر ولسن نے اس کے مطالبے کے بہت بعد عہد صدارت سنبھالا تھا۔ بلیک اسٹون نامی شہرہ آفاق کتاب کا مولف ہے۔ اس کتاب کے اڑتالیس سے زائد زبانوں میں ترجمے ہوئے۔ یعنی صیہونی تحریک سے پہلے قیام اسرائیل کا مطالبہ کرنے والے عیسائی تھے نہ کہ یہودی۔ بلیک اسٹون اپنی کتاب میں لکھتا ہے "فلسطین میں یہودی مملکت کے قیام کے سلسلہ میں صیہونی تحریک کامیاب ہو یا نہ ہو' بہرحال تورات کی پیشنگوئی کی رو سے صیہونی مملکت نے بالآخر ضرور بننا ہی ہے قبل ازیں بلیک اسٹون نے اپنے رفقاء کی مدد سے ایک "یادداشت" مرتب کی جو خالصتاً تورات کی "پیشین گوئی" کے مذہبی فریضہ اور جدوجہد کے زمرے میں تھی۔ جس پر 413 سے زائد اہم ترین امریکی شخصیات سے یاداشت کی حمایت میں دستخط حاصل کیئے گئے تھے۔ جن میں منتخب ارکان اسمبلی' جج' وکلاء و دیگر امتیازی حیثیت کی حامل شخصیات

شامل تھیں۔

یادداشت مذکورہ میں اس وقت کے صدر امریکہ بنجمن ہیریسن کو سفارش کی گئی کہ اسرائیلی مطالبات کو تسلیم کیا جائے اور یہودیوں کو (کتاب مقدس کے حکم پر) ارض فلسطین میں بسانے کے لئے صدر اپنا اثرورسوخ اور بھرپور تعاون ادا کریں۔

☆ صدر بنجمن کے بعد ولسن صدر امریکہ تھے پہلی جنگ عظیم چھڑی ہوئی تھی عرب اتحادیوں کے حمایتی تھے۔ اس زمانے میں صدر ولسن نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ "خادم کلیسا پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ارض مقدس اس کے صحیح مستحقین یہودیوں کو واپس دلانے سے کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہ کرے"۔۔۔ یہودیوں کی ایک کتاب میں صدر ولسن کی تعریف میں لکھا ہے "صدر ولسن نے یہودی مفادات کے لئے دوررس اقدامات کیئے۔ "صیہونی نصرانی" فکر سے ان کا لگاؤ اتنا زیادہ ہے کہ وہ سیاسی و اخلاقی نتائج کو خادم کلیسا کی حیثیت سے یہودیوں کا معاون و مددگار قرار دیتے۔

☆ پہلی جنگ عظیم کے بعد پہلا چیئرمین کانگرس خارجہ کمیٹی 1922ء میں بوسٹن کے اندر اپنی ایک تقریر میں یہودیوں کو ایک تجویز دیتے ہوئے کہتا ہے۔ "یہ عمل نہایت قابل ستائش ہو گا کہ پوری دنیا سے واپسی کے خواہشمند مظلوم مہاجر قوم پرست یہودی اپنے آبائی وطن میں اپنی قومی مملکت تشکیل دیں۔ وہ آبائی وطن جس میں وہ ہزاروں سال بڑھے پھلے پھولے۔ مگر غاصبوں نے انہیں دربدر ہونے پر مجبور کر دیا مجھے سخت تشویش ہے کہ قدس کے علاقے محمدیوں کی علمداری میں بدستور قائم رہیں" یہ الفاظ اسرائیل بننے سے 26 سال پہلے انتہائی نفرت اور انتقامی لہجے میں امریکی کانگریس کا انتہائی ذمہ دار خارجہ کمیٹی کا چیئرمین کہہ رہا تھا۔ یعنی تخلیق اسرائیل کی ضرورت پر دنیائے عیسائیت پہلے ایمان لائی جب کہ یہودی بعد میں تیار ہوئے۔۔۔" (جاری ہے)

سماع کے آداب اور آثار کا بیان

(ابو الحامد محمد الغزالیؒ)

سماع میں تین مقام ہیں پہلا مقام فہم کا ہے پھر وجد اور پھر حرکت۔ ان کی تفصیل الگ الگ ہے جہاں تک فہم کا تعلق ہے جو شخص طبعی تقاضوں کے پیش نظر یا غفلت کی وجہ سے یا کسی مخلوق کے خیال میں راگ سنے وہ بہت بڑا خیس اور بد تر انسان ہے وہ اس قابل نہیں کہ اس کے فہم و حالات پر گفتگو کی جائے لیکن جس شخص پر دین اور حضرت حق کی محبت کا غلبہ ہو تو اس کے دو درجے ہیں پہلا درجہ تو مرید کا ہے کہ راستہ ڈھونڈنے اور چلنے میں قبض و بسط' آسانی و دشواری اور قبولیت و عدم قبولیت کے آثار میں مختلف حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس وجہ سے اس مرید کا دل بجھا سا رہتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جب ایسا کلام سنتا ہے جس میں عتاب' قبولیت و عدم قبولیت وصل و ہجر' قرب و بعد' رضا و ناراضی' امید و یاس' خوف و امن' وفائے عہد و بد عہدی اور شادی وصال و اندوہ فراق کا ذکر ہوتا ہے یا اس قسم کی اور باتیں مذکور ہوتی ہیں تو وہ ان باتوں کو اپنے حال پر ڈھالتا ہے اور جو کچھ اس کے باطن میں ہوتا ہے وہ مشتعل ہو جاتا ہے اور اس میں مختلف حالات پیدا ہو جاتے ہیں ان مختلف حالتوں میں اسے طرح طرح کے خیالات آتے ہیں۔ اب اگر وہ علم و عقیدہ کے اعتبار سے مضبوط نہیں ہوتا تو ایسا ہوتا ہے کہ اسے گانا سننے میں ایسے خیالات آئیں جو علانیہ کفر ہوں جیسے راگ سن کر اللہ تعالیٰ کی شان میں ایسی کوئی بات سمجھے جو محال ہو مثلاً" کوئی یہ شعر سنے۔

زوال بخت میل بدان میل کجا است
وامروز ملول گشتن از بہر چراست

جس مرید کی ابتدا تو تیز اور رواں ہوئی ہو لیکن پھر وہ ست پڑ گیا ہو تو وہ خیال کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کی اس پر عنایت تھی اب نہیں رہی تو اس تغیر کو اگر خدا کی شان میں سمجھے گا تو یہ کفر ہو جائے گا۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا تغیر میں کوئی دخل نہیں کیونکہ وہ تو بدل دینے والا ہے نہ کہ بدل جانے والا بلکہ یہ خیال کرنا چاہئے کہ میری صفت بدل گئی اور جو اسرار و رموز پہلے نصیب ہوئے تھے ان سے محروم ہو گیا وہاں منع و حجاب اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا کہ اس کی بارگاہ تو کشادہ ہے جیسے آفتاب ہے کہ اس کا نور تو پھیلا ہوا ہے اب اگر کوئی شخص دیوار کی آڑ میں کھڑا ہو جائے اور آفتاب کی روشنی اور نور اس پر نہ پڑے تو اس وقت یوں کہا جائے گا کہ اس شخص کی حالت بدل گئی نہ کہ آفتاب کی۔ اس کی ترجمانی اس شعر سے ہو گی۔

خورشید برآمدائے نگارین دیر است
برمن اگر نتا بد از دبیر است

تو ادبار و تنزل کو اپنے حالات کے تغیر پر محمول کرنا چاہئے منع و حجاب کو اللہ کی طرف منسوب کرنا مناسب اور صحیح نہیں۔ اس مثال سے مقصد یہ ہے کہ نقص و تغیر کی صفات کو تو اپنی شامت اعمال پر محمول کرے اور جو جمال و جلال ہے اسے اللہ کی طرف سے خیال کرے۔ اگر مرید یہ علمی سرمایہ نہیں رکھتا تو خطرہ ہے کہ وہ بہت جلد کفر کی مصیبت میں پڑ جائے گا اور اسے اس کا شعور بھی نہیں ہو گا۔ اسی وجہ سے اللہ کی محبت میں سماع کا

بڑا خطرہ ہے دوسرا درجہ یہ ہے کہ راگ سننے والا مریدوں کے درجہ سے گزر گیا اور حالات و مقامات کو اس نے پیچھے چھوڑ دیا ہو اور وہ اس حال کی انتہا کو پہنچ چکا ہو جسے ماسوی اللہ کی طرف اضافت کریں تو فنا اور نیستی کہا جاتا ہے اور اللہ کی طرف اضافت کرتے ہیں تو اس کا نام توحید و یگانگی ہو گا۔ ایسے آدمی کا سماع معنی سمجھنے کی راہ سے نہیں ہوتا بلکہ نفس سماع کے ساتھ ہی نیستی و یگانگی اس پر تازہ ہو جاتی ہے اور وہ اپنے آپ سے بے خبر اور غافل ہو جاتا ہے اور ممکن ہے کہ آگ میں گر پڑے اور اسے وجد نہ ہو۔

شیخ ابوالحسن نوری قدس سرہ حالت وجد میں گنے کے کٹے ہوئے کھیتوں میں دوڑے تو اس کی کھوٹیوں سے پاؤں شدید زخمی ہو گئے لیکن انہیں احساس تک نہ ہوا۔ یہ کامل وجد کہلاتا ہے تاہم مریدین کا وجد صفات بشریہ کے ساتھ متصف ہوتا ہے۔ اس وجد کی تعریف یہ ہے کہ اپنے آپ کو فراموش کر دیا جیسے زنان مصر کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو خود فراموشی میں انگلیاں کاٹ ڈالیں تمہیں چاہیے کہ انکار مت کرو اور یہ نہ کہو کہ میں تو اسے دیکھتا ہوں پھر وہ نیستی کیسے ہو گیا اس لئے کہ وہ وہ نہیں جسے تم دیکھتے ہو کیوں کہ یہ تو وہ شخص ہے کہ جب مر جاتا ہے تب بھی تو اسے دیکھتا ہے حالانکہ وہ نیست ہوتا ہے اس کی حقیقت وہ لطیف معانی ہیں جو محل معرفت ہیں جب تمام چیزوں کی معرفت اس سے غائب ہو گئی تو اس کے حق میں تمام چیزیں گویا نیست ہو گئیں۔ اور جب وہ اپنے آپ سے بے خبر ہو گیا تو اپنے حق میں بھی نیست ہو گیا اور جب اللہ تعالیٰ اور اس کے ذکر مبارک کے سوا کچھ بھی باقی نہ رہا تو جو کچھ فانی تھا جاتا رہا اور جو باقی ہے وہی رہ گیا

یگانگی کے یہی معنی ہیں کہ جب آدمی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتا تو خیال کرتا ہے کہ سب کچھ وہی ہے میں بھی نہیں ہوں اور یا کہتا ہے کہ میں خود وہی ہوں البتہ یہاں ایک گروہ نے یوں غلطی کی کہ اس نیستی کو حلول سے تعبیر کرلیا اور ایک گروہ نے اتحاد کے ساتھ اور یہ ایسا ہے جیسے کسی نے کبھی آئینہ نہ دیکھا ہو اور جب دیکھے اور اس میں اپنی شکل نظر آئے تو یہ خیال کرے کہ وہ خود آئینے میں اتر آیا ہے اور یا یہ خیال کرے کہ وہ صورت خود آئینہ کی صورت ہے اور یہی آئینہ کی صفت ہے کہ وہ سرخ و سفید ہوتا ہے پہلی صورت کو حلول اور دوسری کو اتحاد سے تعبیر کرتے ہیں اور اصولاً یہ دونوں باتیں غلط ہیں نہ تو یہ صورت بنتا ہے اور نہ صورت آئینہ بنتی ہے ہاں ایسا دکھائی ضرور دیتا ہے جو تمام معاملات کو من کل الوجوہ نہیں سمجھتا وہ ایسا خیال کرتا ہے اس کتاب میں اس کی تفصیل مشکل ہے کیونکہ یہ بڑا علم ہے ہم نے احیاء العلوم میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ دوسرا مقام یہ ہے کہ فہم سے فراغت کے بعد حال پیدا ہوتا ہے جسے وجد کہتے ہیں وجد کا معنی پانے کے ہیں اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ ایسی حالت پائی جو اس سے پہلے نہ تھی وجد کی جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے تو اس میں سلسلہ گفتگو بہت دراز ہے صحیح بات یہ ہے کہ وجد کی کئی اقسام ہیں بنیادی طور پر وہ دو سبب سے ہوتا ہے احوال کے سبب اور مکاشفات کے سبب۔ لیکن احوال یوں ہوتے ہیں کہ کوئی صفت اس پر غالب ہو جائے اور اسے مست کردے یہ صفت کبھی شوق کی شکل میں ہوتی ہے۔ کبھی خوف کی شکل میں۔ اسی طرح کبھی آتش عشق، کبھی طلب، کبھی اندوہ کبھی حسرت وغیرہ ذالک۔ اور

جب وہ آگ دل پر غالب ہو جاتی ہے اور اس کی حرارت دماغ کو پہنچتی ہے تو اس کے حواس مغلوب ہو جاتے ہیں پھر وہ نہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے گویا کہ سو رہا ہے لیکن اگر کسی درجہ میں دیکھتا سنتا ہے بھی تو ہوتا غائب اور غافل ہی ہے جیسے مست آدمی۔

دوسری قسم جو مکاشفات سے تعلق رکھتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اسے بعض اشیاء دکھائی دینے لگتی ہیں جن میں سے بعض مثالی طور پر نظر آتی ہیں۔ بعض صریحا"۔ اس میں سماع کا جو اثر ہے وہ یہ ہے کہ وہ دل کو صاف کرتا ہے کیونکہ دل گرد آلود آئینہ کی مانند ہے سماع اسے گرد سے پاک کرتا ہے حتیٰ کی اس میں مختلف صورتیں نظر آنے لگتی ہیں۔ اس کے معنیٰ میں جتنا کچھ الفاظ کا جامہ پہنایا جا سکتا ہے وہ ایک علم ہوتا ہے یا قیاس یا مثال۔ جو شخص اس مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے اس کے سوا اسے کسی چیز کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی اور ہر کسی کو اپنے مقام کی حقیقت کا علم ہوتا ہے اگر ایسا شخص دوسرے میں تصرف کرتا ہے تو اپنے مقام کے مطابق۔ قیاس سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے اس کا تعلق بھی علم سے ہے ذوق سے نہیں۔ لیکن اتنا جو بیان کیا تو محض اس لئے کہ جن لوگوں کو یہ حال ذوق سے نصیب نہ ہو وہ اس کو حال ہی باور کرلیں اور کم از کم انکار تو نہ کریں۔ اس لئے کہ انکار انہیں نقصان پہنچائے گا اور وہ شخص بڑا احمق ہے جس کا یہ خیال ہو کہ جو چیز میرے گنجینہ میں نہیں اس سے بادشاہوں کے خزانے بھی خالی ہیں اور اس سے زیادہ احمق وہ ہے جو تھوڑے سے سرمایہ کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا بادشاہ جاننے لگے اور یہ خیال کرے کہ میں نے تمام مراتب حاصل کرلئے اور مجھے سب کچھ حاصل ہو گیا ہے اور

جو چیز میرے پاس نہیں اس کا وجود ہی نہیں۔ انکار کی بنیاد اسی قسم کی حماقتیں ہوا کرتی ہیں اور جو وجد تکلف کی وجہ سے ہو وہ عین نفاق ہے ہاں یہ درست ہے کہ آدمی اسباب وجد پیدا کرنے کی کوشش کرے کہ شاید حقیقت پیدا ہو جائے۔

حدیث پاک میں ہے کہ تم جب قرآن سنو تو روؤ رو نہ سکو تو رونے والوں جیسی شکل بنا لو۔ یہی مطلب ہے ہماری گفتگو کا کہ تکلف کرکے رنج و حزن کے اسباب اپنے دل میں لاؤ اس تکلف میں اثر ہے شاید وہ تکلف حزن کی حقیقت پیدا کر دے۔

سوال کیا جاتا ہے کہ اگر سماع حق ہے اور اللہ کے لئے ہے تو اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ دعوتوں میں پڑھنے والوں کو بلایا جاتا قرآن پاک سنا جاتا اور قوالوں سے احتراز کیا جاتا کیونکہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کا سننا ہر اعتبار سے اولیٰ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن پاک کی آیات پر سماع بہت ہوتا ہے اور اس سے وجد بہت آتا ہے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو قرآن شریف سنتے سنتے بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ اور ایسے بھی لوگ تھے کہ انہوں نے قرآن سنا اور ان کی روح قفص عنصری سے پرواز کر گئی۔ ان کی حکایات کا یہ موقعہ نہیں ہم نے احیاء العلوم میں خاصی حکایات ذکر کی ہیں۔ لیکن صوفیاء قرآن کی بجائے اشعار جو سنتے ہیں تو اس کے پانچ سبب ہیں۔ (جاری ہے)

FALAH-E-ADMIAT

Registerd

CPL No. 491

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا

صداقت

اللہ

محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

بانی سلسلہ کی تصانیف

"چراغ راہ" خواجہ عبدالحکیم انصاری "سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر مریدین کی تربیت اور راہنمائی کے لئے جو خطبات ارشاد فرماتے رہے یہ کتاب ان کا مجموعہ ہے اس میں نئے سلسلہ کے قیام کے اغراض و مقاصد تفصیل سے درج کرنے کے علاوہ راہ سلوک کے پیچ و خم، نشیب و فراز اس میں پیش آنے والی رکاوٹیں اور پیدا ہو جانے والی غلط فہمیاں بیان کر دی گئیں ہیں اور صدیوں سے حل طلب روحانی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے ایسے ایسے نادر نکات بیان کئے گئے ہیں کہ یہ گیارہ خطبات ملت اسلامیہ کے لئے درس حیات اور سالکین کے لئے منارہ ہائے نور کی حیثیت رکھتے ہیں وہ خصوصی مسائل جن پر روشنی ڈالی گئی ہے یہ ہیں۔

☆ سلوک و تصوف میں اپنے ذاتی تجربوں اور تحقیق کا بیان۔
☆ مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور میں کیسے کیسے فقیر ملے اور مرشد سے ملاقات کا حال۔
☆ ہمارے زوال میں امرا علماء اور صوفیاء نے کیا کردار ادا کیا؟
☆ علماء ظاہر اور اہل روحانیت صوفیاء کے اصلاح کے طریقوں میں کیا فرق ہے۔
☆ قوم میں تصوف خفتہ اور تصوف بیدار کے اثرات کیا ہوتے ہیں؟
☆ تصوف کی اہمیت اور انسان کی زندگی پر اس کے اثرات۔
☆ عقل صمیم، عقل سلیم اور قلب سلیم کیا ہیں اور ان سے ہمیں کیا ملتا ہے۔
☆ یوگا، ہپناٹزم اور مسمریزم کی حقیقت اور انکے مقابلہ میں اسلامی روحانیت کی برتری اور فضیلت
☆ کرامات کی طاقت کس طرح حاصل ہوتی ہے اور کشف کیونکہ ہوتا ہے؟
☆ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی؟